تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

سلطان ٹیپو شہید سیمینار سے:

خطبہ صدارت کے علاوہ
مولانا واضح رشید ندوی
کا پُر مغز مقالہ

موجودہ عالمی حالات اور ہماری ذمہ داریاں

سلطان ٹیپو کی وصیت

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمیِ محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اقبالؔ

اسلامک فقہ اکیڈمی کا ۱۴واں سیمینار حیدر آباد

• کلیدی خطبہ • افتتاحی خطاب

۱۰/جولائی ۲۰۰۴ء

Rs.7/-

گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے.... ٹیپو

Postal Regd.No.LW/NP/63/2003 to 2005

Fortnightly
Tameer-e-Hayat
Nadwatul- Ulama, Lucknow-226007
Vol.3, Issue No.4

June. -2004

R.N.I.No.UP.URD/2001/6071
(0522) 2740151
2741272
2741221
2741231

Mob : 3102451

(S) : 0522-2260671
® : 0522-2267429

Mohd. Miyan Jewellers

محمد میاں جیولرس

۱۲/ر کپور مارکیٹ، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ-۳

TEL : 2266786

ریاض احمد
غیاث احمد

SANA
JEWELLERS

۳۰۱-۱۲/ سرائے بانس
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

301/12 SARAIN BANS
AKBARI GATE CHOWK, LUCKNOW-3

☎ 2260433

جدید و دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

Gehna Palace

گہنہ پیلیس

Whenever You See Jewellery;
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد نعیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک، لکھنؤ

Mrs Sabhia Kaleem

3N Travel & Tourist Bureau (P) Ltd.
Govt. of India Recognized
Ministry of Labour Lic. No.3600/MUM/PER/300/23/4/5801/2002
Approved by Royal Consulate & Ministry of Hajj, Saudia Arabia
B-3 Waris Plaza, Hotel Raj, Hussain Ganj
Lucknow-226001
Mob : 9839272383, (Off) 2274709,
E-mail: Sabhiakale2m@yahoo.com
Website: http://www.3ngroup.com

Ph Show Room: 274606

محمد اکرم جیولرس
Mohd. Akram Jewellers

Ph: (0522) 266824-252789
Off: 240999

Abdullah Malik
Managing Director

S.Abdul Malik & Sons
ایس. عبد الملک اینڈ سنس

Specialist in:
Indian Attars & Synthetics
Essential Oils

253/26, Nadan Mahal Road,
Nakhas, Lucknow (U.P.) India

Editor: Shamsul Haq Nadwi Office Ph: 2741235 (Ext) 18 Printed & Published by Athar Husain on behalf of Nadwatul Ulama at Parekh Offset printing Press, Tagore Marg Lucknow.

سبھی بیدار ہیں، انساں اگر بیدار ہو جائے

یہ مصرع کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو، مرنے کے لئے تیار ہو جائے

وہی میخوار ہے جو اس طرح میخوار ہو جائے
کہ شیشہ توڑ دے اور بے پئے سرشار ہو جائے

دلِ انساں اگر شائستۂ اسرار ہو جائے
لبِ خاموش فطرت ہی لبِ گفتار ہو جائے

ہر اک بیکاریٔ ہستی بہ روئے کار ہو جائے
جنوں کو روحِ خوابیدہ اگر بیدار ہو جائے

سنا ہے حشر میں ہر آنکھ اسے بے پردہ دیکھیگی
مجھے ڈر ہے نہ توہینِ جمالِ یار ہو جائے

حریمِ ناز میں اس کی رسائی ہو تو کیونکر ہو
کہ جو آسودہ زیرِ سایۂ دیوار ہو جائے

معاذ اللہ اس کی وارداتِ غم معاذ اللہ
چمن جس کا وطن ہو اور چمن بیزار ہو جائے

یہی ہے زندگی تو زندگی سے خودکشی اچھی
کہ انساں عالمِ انسانیت پر بار ہو جائے

اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھرتھرا اٹھے
نظر تلوار بن جائے نفس جھنکار ہو جائے

یہ روز و شب، یہ صبح و شام، یہ بستی، یہ ویرانہ
سبھی بیدار ہیں انساں اگر بیدار ہو جائے

جگر مرادآبادی

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ — اشاعت کے ۴۱ سال

جلد نمبر ۴۱ — ۱۰ جولائی ۲۰۰۴ء مطابق ۲۱ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ — شمارہ نمبر ۱۷

زیرِ سرپرستی:
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگرانِ خصوصی:
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی
معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین
معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
• مولانا نذر الحفیظ ندوی • مولانا عبداللہ حسنی ندوی
• مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زرِ تعاون
سالانہ -/۱۵۰ —— فی شمارہ -/۷
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک -/۳۵ ڈالر
XN ¯D x¶E~] §y Á Å Ƶe•

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayaat
Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007
فون (دفتر) 2741235 (Ext)18 مہمان خانہ (0522) 2740151
Website : www.nadwatululama.org
e-mail : Nadwa@sancharnet.in
thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین و مندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط و کتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکیا آفسیٹ پرنٹنگ پریس، نیگور مارگ، لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیرِ حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

رئیس التحریر کی میز سے
☐ ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں ——

اداریہ
☐ شریعت پر عمل ہی مسائل کا حل ہے —— ۳

چراغِ راہ
☐ ملک کی تین چولیں اگر درست ہو جائیں ...... —— ۵

مکتوبِ مکہ
☐ مال کی ناکردگی اور انسان کی بے چارگی —— ۶

سیمینار ٹیپو سلطان
☐ ایک صاحبِ بصیرت و صاحبِ عزیمت سلطان —— ۷
☐ سلطان ٹیپو شہیدؒ ایک مثالی حکمراں —— ۱۰

فقہی سیمینار
☐ شریعت کی روشنی میں جدید مسائل کا حل ...... —— ۱۵

فکر و نظر
☐ موجودہ عالمی حالات اور ہماری ذمہ داریاں —— ۱۸

تاریخ ندوہ کا ایک ورق
☐ حفاظتِ اسلام اور فرائضِ علماء —— ۲۳

دعوت و تبلیغ
☐ دعوتِ حق اور صحیح رہنمائی —— ۲۴

رپورٹ
☐ روداد سفر جنوبی ہند —— ۲۸

آخری صفحہ
☐ مکان کی تلاش —— ۳۲

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہِ کرم سالانہ زرِ تعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

ندوۃ العلماء (مہر)

بسم اللہ

رئیس التحریر کی میز سے

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

امین الدین شجاع الدین

بناؤ اور بگاڑ دونوں کا سلسلہ اوپر کی جانب سے چلتا ہے، مشہور ہے: **الناس علیٰ دین ملوکھم** ۔ صاحبانِ اقتدار کا عمل دخل اور اثر محض حکومت کے ایوانوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ عوامی اور سماجی زندگی پر بھی اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس کی واضح مثالیں مختلف ادوار کی مختلف تہذیبیں ہیں جن میں اپنے اپنے دور کے حکمرانوں کے ذوق و مذاق کا پرتو دکھائی پڑتا ہے، یہ بات حکمراں طبقہ ہی تک محدود نہیں، نامور و معروف شخصیتوں کے اعمال و افعال بھی عوام کے لئے باعث توجہ بن جاتے ہیں، ماوراں کے ذاتی اوصاف، اور اسی طرح ان کی ذاتی کمزوریوں پر بھی ان کے جاننے یا ماننے والوں کی نگاہ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس مقام اور درجہ کے لوگوں کی ذاتیات بھی ذاتیات نہیں رہتیں بلکہ سماجیات بن جاتی ہیں، اور پھر ادباء و شعراء اس ''سماجیات'' کو ادبیات بنا دیتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ مغربی طرز فکر کی آزادانہ روش نے ''ذاتی معاملہ'' کا مغالطہ دے کر انسان کو بہت ساری اخلاقی بندشوں سے آزاد کر دینا چاہا ہے۔

حاصل یہ کہ نامور شخصیتوں کی زندگیوں میں اخلاقی قدروں کی تلاش کو بے جا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ دنیا کے کئی ایک نامور قائدین کی زندگیاں اس پہلو سے بھی روشن اور شفاف دکھائی پڑتی ہیں۔ اسلامی تاریخ میں تو اس کی دس بیس نہیں، ان گنت نظیریں ہیں، اور مثالیں بھی ان شخصیتوں کی ہیں جو صاحب اقتدار تھے اور جن کا سکہ چلتا تھا!!۔ انسانی تاریخ کا دامن بھی ایسی شخصیتوں سے خالی نہیں رہا کہ جن تخت نشینوں کی پرچھائیاں عوام کے اخلاق و کردار پر پڑیں اور اثر انداز ہوئیں۔

لیکن ادھر انسانی دنیا کے ساتھ بڑا المیہ یہ ہوا کہ قدریں زوال پذیر ہوتی چلی گئیں اور علی العموم صاحبان اقتدار و قوت میں بھی - الا ماشاء اللہ - اخلاق و کردار کا زوال اس قدر نمایاں طریقہ سے رونما ہوا کہ اس میدان میں بھی وہی پیشوائی کرتے دکھائی دیتے ہیں ------ اس بات کی تائید ایک کتاب Stupid white Men سے بھی ہوتی ہے، اس کا ایک باب ہے: ''ڈیئر جارج'' - جارج ڈبلیو بش کے نام یہ ایک کھلا خط ہے جو ان کے قریبی ساتھی Michael Moore نے لکھا ہے۔ ۱۸ صفحات پر مشتمل اس کھلے خط میں ایک طرف تو مصنف نے جارج بش کے ان اقدامات کی تفصیل گنائی ہے جو مفاد عامہ کے خلاف جاتے ہیں۔ دوسری طرف مصنف نے صدر موصوف کی تعلیمی لیاقت و صلاحیت پر سوالیہ نشان قائم کر دیا ہے۔ مزید برآں ان کے جرائم گنا کر جارج ڈبلیو بش سے صدر بش تک کے ان کے سفر کی وہ روداد بھی سنائی ہے کہ کس طرح استحصال کے ذریعہ اور کتنے اشخاص کی حق تلفی کر کے اور ان کے جائز ارمانوں کا قتل کر کے ان کے ملبہ پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنا قد بلند کیا ہے ----- ''ذاتیات'' کے عنوان سے ان باتوں سے صرف نظر کی گنجائش پیدا کی جا سکتی ہے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں دروغ برگردن راوی، لیکن یہ تفصیلات اس شخص کی ہیں جو روئے زمین پر آج دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور شخص باور کیا جا رہا ہے، اور جس کی زبان پر ''امن عالم، تعمیر نو، دہشت گردی سے پاک دنیا'' جیسے الفاظ اور نعرے ہیں جن کی قلعی بھی ایک ایک کر کے اب کھلتی چلی جا رہی ہے، اور جس سے مذکورہ بالا باتوں کو تقویت ملتی دکھائی دیتی ہے۔

امن عالم، دہشت گردی سے پاک دنیا اور تعمیر نو کے جھوٹے اور کھوکھلے نعروں کی ان فریب کاریوں کے نتیجہ میں سامنے آنے والی ایک دل خراش داستان تو وہ ہے جو بے گناہوں کے خون سے دل و دماغ پر نقش ہوتی جا رہی ہے، اور دوسری طرف Michael Moore جیسے انصاف پسند دانشوروں کی وہ آوازیں ہیں جو ظلم کرنے والوں کا پیچھا کر رہی ہیں۔ افسوس کہ جو لوگ نشانے پر ہیں وہ تو نفسی نفسی کے عالم میں ہیں، اور لوگ کہتے ہیں کہ ان پر بے حسی طاری ہے، لیکن قدرت کا عجب نظام ہے، گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جگنو کی چمک بھی اپنے اندر ایک پیغام رکھتی ہے۔ Michael Moore جیسے انصاف پسند بھی تاریکی اور فریب کاری کے ماحول میں روشنی اور سچائی کی لکیریں کھینچ تو رہے ہیں!! دنیا کو درپیش معرکۂ روح و بدن میں جہاں نگاہوں کو مومن کی فراست کی تلاش ہے وہیں سچائی پر مبنی یہ تحریریں بھی کچھ اطمینان دلاتی ہیں کہ انسانی ضمیر ابھی مرا نہیں، زندہ ہے!!۔

سچائی اور روشنی کی یہ ریکھائیں ایک ایسے مستقبل کا پتہ دے رہی ہیں جو زبان حال سے گواہی دے گا کہ ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں!!!

اداریہ

شریعت پر عمل ہی مسائل کا حل ہے

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمان اور مسلم اپنے معنی کے اعتبار سے اس شخص کو متعین کرتا ہے جو اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حکم و مرضی کے حوالہ کر دے، عربی زبان میں اسلام کے معنی حوالہ کر دینے، سپرد کر دینے کے ہیں، اس طرح اصلاً مسلم اس شخص کو کہیں گے جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے حکموں کے سپرد کر دیا ہو کہ ہم وہی کریں گے جو ہمارا پروردگار چاہتا ہے، ہم وہی کریں گے جس کی پروردگار نے ہم کو اجازت دی ہے۔ جب ہمیں خود سپردگی یعنی اپنے کو اپنے رب کی مرضی کے حوالہ کرنا ہے تو ہم کو یہ جاننے کی ضرورت ہوگی کہ ہمارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ کیا حکم دیا ہے؟ اور کس طرح کا عمل وہ ہماری زندگی کے لئے پسند کرتا ہے؟۔

لیکن ہو یہ رہا ہے کہ محض مسلمان گھر میں پیدا ہو جانے پر مسلمان عموماً مطمئن ہو جاتا ہے، اور محض اس بات پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم مسلم ہیں، اور جب ہم مسلم ہیں تو اللہ پر گویا ہمارا یہ حق بن جاتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ضرور رحم اور عنایت و مدد کا معاملہ کرے کیونکہ ہم مسلم ہیں، لیکن اس بات کو عام طور پر بھلا دیا جاتا ہے کہ مسلمان (مسلم) کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ مسلمان ماں باپ کے یہاں پیدا ہو گیا، بلکہ مسلمان کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے سپرد کر دیا۔ لہٰذا ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں کہ کیا ہم نے اپنے کو اللہ کے حکم کے سپرد کیا ہے؟ یعنی اپنی مرضی پر اپنے پروردگار کی مرضی کو ترجیح دی ہے؟ مسلمان کی شان یہ بتائی گئی ہے، بلکہ اس کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کو اللہ اور رسول (ﷺ) سے اتنی محبت ہو کہ وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ، اپنی اولاد سے بھی زیادہ، اور اپنے گھر والوں سے بھی زیادہ ہو، حدیث میں آتا ہے ﴿ **لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده و ولده و الناس أجمعین** ﴾ اور جب ہمیں حضور ﷺ سے ایسی محبت ہوگی تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات کی ہم خلاف ورزی نہیں کر سکتے، بلکہ ہم کوئی بھی ایسا عمل نہیں کر سکتے جو ہمارے حضور ﷺ کی ہدایت و ارشاد کے خلاف ہو، یا جس کو آپ نے ناپسند کیا ہو۔ اور اگر ہم حضور ﷺ کی پسند کے خلاف کوئی کام کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہمیں اصلاً حضور ﷺ سے وہ محبت نہیں ہے جس محبت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ یہ محبت اپنی اولاد اور اپنے ماں باپ کی محبت سے بھی زیادہ ہو۔

اس سلسلہ میں اولاً یہ ضروری ہے کہ ہمیں ان احکام کو معلوم کرنا چاہئے جن احکام پر عمل کرنے میں حضور ﷺ کی تعمیل حکم ہے، اور جن پر عمل کئے بغیر حضور ﷺ سے ہماری محبت ثابت نہیں ہوتی، اور نبی کریم ﷺ کی محبت اگر ہم کو حاصل نہیں ہے تو آخرت میں ہم کو کیا فائدہ حاصل ہو سکے گا؟ آخرت میں نجات اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے یہ بات طے شدہ ہے کہ ہم کو آپ (ﷺ) کے حکموں پر چلنا ضروری ہے۔

صرف احکام معلوم کر لینے سے کام نہیں چلتا، مسائل کو جاننا ضروری اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ ہی ہم عمل کر سکتے ہیں لیکن اس کے بعد یہ ضروری ہے کہ ہماری زندگی میں وہ احکام نافذ ہوں اور ہماری زندگی میں ان کا عمل دخل ہو، اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت، مدد، رحمت اور کرم کا وعدہ اچھے اعمال پر کیا ہے، اچھے اعمال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کی تعمیل کی جائے، اور جب ایسا طریقہ اختیار کیا جائے گا تب ہی اللہ کی مدد، اللہ کی نصرت، اللہ کا کرم ہم پر ہوگا، اور اگر خدانخواستہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پابندی نہیں کرتے، بلکہ انہیں نظر انداز کرتے ہیں، اللہ کے رسول کی ہدایات کے خلاف کرتے ہیں تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کی توقع نہیں رکھنی چاہئے، ہم اس کی نافرمانی کریں وہ ہم پر کرم کرے، یہ کیسے ہوگا؟ کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے؟۔

ہمیں اپنی زندگی کا اصل میں جائزہ لینا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے حکموں پر کہاں تک عمل کر رہے ہیں؟ ہم ان کی مرضی کو اپنی مرضی پر کہاں کہاں ترجیح دے رہے ہیں؟ اگر ان کی مرضی کو ہم اپنی مرضی پر ترجیح نہیں دیتے تو یہ اطاعت نہیں کہلائیگی، اطاعت وہاں کہلائے گی جہاں ہم اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کو ہر چیز پر ترجیح دیں، خرچ کا معاملہ ہو، آمدنی کا معاملہ ہو، کسی سے معاملہ کرنے کی بات ہو، یا کوئی اور معاملہ ہو، زندگی کے بے شمار پہلو ہیں، ہمیں ہر پہلو میں اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ ہم اللہ کی مرضی کو ترجیح دیں، اور جس حد تک ہم اللہ اور اس کے رسول کی مرضی پر عمل کریں گے اسی حد تک اللہ کی نصرت، اس کی مدد اور اس کا کرم ہم کو حاصل ہوگا۔ اور اگر ہم اسلام کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہم کو یہ بات نظر آئے گی کہ جب تک مسلمانوں نے اچھی زندگی کا ثبوت دیا تب تک انہیں اللہ کی مدد ونصرت اور کرم حاصل ہوا، قرآن مجید میں صاف صاف اللہ کا وعدہ ہے کہ تم اگر اچھے عمل کروگے تو ہم تم کو نہال کردیں گے اور برے عمل کروگے تو تمہارا مؤاخذہ کریں گے اور تم کو سزا دیں گے، اور مسلمانوں کے حالات بتاتے ہیں کہ ان کی مشکلات، ان کی پریشانیاں ان کے نقصانات اور ان کی بے عزتیاں جہاں بھی ہم کو ملتی ہیں ہم ان کے متعلق تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ تھا، یہاں انسان کا معاملہ اپنے رب سے ہے، اس نے اگر اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی تو حالات بدل جاتے ہیں، یہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کا غلام ہے، یہ دنیا اور سارا عالم ہمارے لئے اسی وقت سازگار ہوگا جب ہم اللہ کے حکموں کے ساتھ اپنے حالات کو سازگار بنائیں گے۔

لہٰذا اصل ضرورت یہ ہے کہ ہم علماء سے مسائل معلوم کرکے اپنی زندگیوں کو اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کا پابند بنائیں، اور جو مسائل ہیں، ان کے جو شرعی حل ہیں اور، شریعت اسلامیہ میں ان کا جو طریقہ بتایا گیا ہے ہم ان کو سمجھ کر، ان کو اپنائیں۔

آپ تاریخ پڑھ ڈالئے، آپ دیکھیں گے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ عروج وزوال کی تاریخ رہی ہے، بڑے مسائل بھی پیش آئے ہیں، بڑے اچھے حالات بھی پیش آئے ہیں، ان کا آپ جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ جب اللہ کی مرضی کے مطابق زندگیاں گزری ہیں تو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوئی ہیں اور عزت ملی ہے، اور جب نافرمانی کی ہے تو مسائل اور دشواریاں، مشکلات اور پریشانیاں سامنے آئی ہیں۔

آج امت کا حال یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اور اس کے حکموں کی فرمانبرداری میں اس کو جس معیار پر ہونا چاہئے ابھی اس پورے معیار پر نہیں ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری زندگی میں طرح طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں، اگر ہم ان پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں ہماری بے توجہی کو بہت دخل ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم خود اپنی زندگیوں کا جائزہ لیکر انہیں شریعت کے مطابق بنانے کی کوشش کریں، کیونکہ اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔

شریعت اسلامی کے جو احکام ہیں ان میں علماء کا فریضہ تو یہ ہے کہ ان کے لئے تحفظ کی اور ان کی تعلیم واشاعت کی جو ضرورت ہو اس کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر فکر کریں، اور عامۃ المسلمین اور سارے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ احکام معلوم کرکے ان پر عمل کریں، اور اپنی زندگیوں میں ان کو نافذ کریں، اس لئے کہ ان کو نافذ کرنے ہی پر اس دنیا میں عزت ہے، اور آخرت میں کامیابی ہے، اور مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں باتیں رکھی ہیں، ایک تو یہ کہ اس دنیا کے اندر بھی ان کو عزت حاصل ہو اور دوسرے یہ کہ آخرت میں بھی ان کو کامیابی اور سرخ روئی حاصل ہو، اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور عذاب میں مبتلا نہ ہوں، اور اسی کے ساتھ یہ ہے کہ یہ زندگی بھی عزت وراحت کے ساتھ گزرے۔ لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب ہم اس پر عمل کریں گے۔ آپ اور ہم سب کا فریضہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیکر یہ دیکھیں کہ ہم شریعت اسلامی پر کتنا عمل کر رہے ہیں؟، شریعت اسلامی زندگی کے لئے اسلامی احکام کو کہتے ہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے جو احکام ہیں انہیں کا نام شریعت ہے۔ لہٰذا ہم دیکھیں کہ ہم شریعت اسلامی پر کتنا عمل کرتے ہیں، اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، اور جو نقص اور کمی ہے اس کو دور کرنے کی کوشش کریں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس دنیا کے اندر بھی ہم کو عزت اور راحت حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہوگی۔

□□□

ملک کی تین چولیں اگر بیٹھ جائیں تو ملک باقی رہ جائے گا

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ملک کی تین چولیں اگر بیٹھ جائیں تو ملک باقی رہ جائے گا، اور وہ تین چولیں ہیں ایجوکیشن، پولیس اور پریس، یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر یہ درست ہوجائیں تو پھر کوئی بڑا خطرہ نہیں ہے، آدمی پڑھ کر نکلے تو روشنی کا سبق پڑھ کر نکلے، انسان کی عزت کا سبق پڑھ کر نکلے، اور اس کے بعد پولیس جس میں خدمت کا جذبہ ہو، تعاون کا جذبہ ہو، میں آپ سے صاف کہتا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ یہاں پولیس کی کتنی نمائندگی ہے، لیکن میں ایک حقیقت بیان کرتا ہوں، میں کتنے ملکوں میں گیا ہوں، وہاں پولیس کو دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے، وہاں پولیس کو رہنما اور مددگار سمجھا جاتا ہے، مجھے خود اتفاق ہوا ہے کہ لندن میں ایک کانسٹبل سے پتہ پوچھ لیا تو پوچھ کر پچھتایا، صرف اتنا ہی نہیں کہ اس نے پتہ بتلایا بلکہ ساتھ ساتھ چلا، اور پولیس وہاں ہے ہی اس کام کے لئے کہ زیادتی نہ ہونے دے اور کمزور کی مدد کرے، اور یہی نہیں بلکہ رہنمائی کرے۔

انگریزوں نے اپنا رعب قائم کرنے کے لئے (کہ وہ سمندر پار سے آئے تھے) انہوں نے پولیس ایجنسی بنائی تھی کہ اس کے ذریعہ اپنا رعب قائم کریں، انگریزوں کو پولیس کے ذریعہ مرعوب کرنا تھا، اب آج کل اس کی کیا ضرورت ہے؟ آج کل تو یہ ہونا چاہئے کہ آدمی پولیس کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرے کہ میں خطرہ میں پڑ گیا تھا، محلّہ خطرہ میں پڑ گیا تھا، عورتیں بڑے خطرہ میں پڑ گئی تھیں، بچوں کی جانیں خطرہ میں پڑ گئی تھیں، یہ پولیس والے تھے جنہوں نے بچایا، ایسا ہونا چاہئے تھا، یہ احساس عام ہونا چاہئے تھا، میں کہتا ہوں ایجوکیشن، پولیس اور پریس تین چیزیں اگر درست ہوجائیں تو اس ملک میں اس طرح کے واقعات پھر نہیں ہوسکتے جس طرح کے ہوئے ہیں، اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ دورہ پڑنے سے نہ گھبرایئے، بیماری پھیلنے سے نہ گھبرایئے، انسان ہے، زندگی میں سب کچھ ہوگا، یہ نشیب وفراز ہیں زندگی کے، اتار چڑھاؤ ہے زندگی کا لیکن ڈرنے کی بات یہ ہے کہ اس دورہ کا علاج کرنے کے لئے، اس بیماری کا ڈر ختم کرنے کے لئے، اس مریض کو بچانے کے لئے کوئی جماعت نہ ہو، کوئی آرگنائزیشن نہ ہو، کوئی پارٹی نہ ہو، اور محبِّ وطن، ہمدرد انسانیت، صاحب دل، اور منصف مزاج لوگ نہ ہوں، کسی بھی ملک کے لئے خواہ اس کی زمین خزانہ اگلے، اس کا آسمان سونا برسائے اور اس کے دریا سونے اور چاندی کے بن جائیں، اور اس ملک میں بے کمائے اور بے محنت کئے سب کو روزی ملے، اطمینان نہیں اگر آپس کے تعلقات درست نہیں، اگر ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسا نہیں۔ ☆☆ (ماخوذ از: کاروان زندگی)

مکتوب مکۃ المکرمہ

مال کی ناکردگی اور انسان کی بے چارگی

ام بلال (مکہ مکرمہ)

۱۰ر جون ۲۰۰۴ء کے تعمیر حیات کے شمارہ میں ہمارے محترم شاہ حسن عسکری طارق صاحب سابق نیبی فون انجینئر مدینہ منورہ کا مختصر مقالہ نظر سے گزرا، ایسا محسوس ہوا جیسے آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھ گیا، اور انسان کی بے بسی اور بے چارگی کا ایک دفتر کھل گیا، لوگ سمجھتے ہیں کہ مال سب کچھ ہے، ستار العیوب ہے اور قاضی الحاجات ہے، مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ سب پر غالب طاقت اللہ کی ہے، اور قدرت خداوندی جب چاہتی ہے تو سونے اور چاندی کی قیمت مٹی کے ڈھیلوں سے زیادہ حقیر ہوجاتی ہے۔

جناب طارق عسکری صاحب کے اس چشم کشا مضمون پر یاد آیا کہ وہ صرف فرضی حالات نہیں جن کا موصوف نے ذکر کیا ہے، بلکہ قرآنی حقائق بھی ہمارے پیش نظر ہیں، جن سے زیادہ نمایاں تصویر تجربات کی نگاہوں نے نہیں دیکھی ہے، یاد کیجئے سورہ زلزال جس میں دکھایا گیا ہے کہ جب زمین ہلنے لگے گی، اور اپنے خزانے اگل دیگی تو کروڑوں، اربوں کی ملکیت خاک کے تودے سے زیادہ حقیر ہوجائے گی، ارشاد ہے ﴿ **إذا زلزلت الأرض زلزالها، و أخرجت الأرض أثقالها، و قال الإنسان ما لها، يومئذ تحدث أخبارها، بأن ربك أوحى لها، يومئذ يصدر الناس أشتاتاً ليروا أعمالهم، فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره، و من يعمل مثقال ذرة شراً يره** ﴾ ترجمہ: جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلادی جائے گی، اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی، اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا، اس روز اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی، اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے، تا کہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں، سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لیگا، اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لیگا۔

اور اس سے پہلے سورہ واقعہ کی یہ آیت آپ نے بارہا پڑھی ہوگی ﴿ **فلولا إذا بلغت الحلقوم، و أنتم حينئذ تنظرون، و نحن أقرب إليه منكم، و لكن لا تبصرون، فلولا إن كنتم غير مدينين، ترجعونها إن كنتم صادقين** ﴾ (الواقعہ: ۸۳-۸۵) ترجمہ: سو جس وقت روح حلق تک آپہونچتی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو، اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) شخص کے بہ نسبت تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں، لیکن تم سمجھتے نہیں ہو، تو (فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹاتے ہو، اگر تم سچے ہو۔

آپ خود بتائیے کہ ایسے وقت میں جب کہ آنکھ اوپر کی طرف تنگ جاتی ہے، منہ کا دہانہ کھلا ہوتا ہے، ہتھیلیاں جو کہ کبھی پیدائش کے وقت مٹھی کی شکل میں بند تھیں کھل جاتی ہیں، کہ اب کچھ بھی نہیں رہ گیا جو مٹھی میں بند کریں، سب کو چھوڑ کر خالی ہاتھ جانے کا وقت آگیا، اور جانے والا کیا کرتا ہے؟ یہی نا کہ پھٹے ہوئے دیدے سے سب کو دیکھتا ہے، مگر کچھ بول نہیں سکتا، اس وقت اس سے پوچھئے کہ کہاں ہیں تمہارے وہ خزانے، اور خزانے کی چابیاں، بینک بیلنس اور کھاتے کی کاپیاں؟ کہاں ہے وہ دولت جس کو تم ستار العیوب سمجھتے تھے؟ عیوب تو بڑی چیز ہے ایک عیب بھی دنیا کی ساری دولت چھپا نہیں سکتی۔

سورہ قیامہ کی آیت جو کہ جسم میں کپکپی پیدا کردے، اور روئیں روئیں پر خوف طاری کردے، اور بات ایسی کہ جس سے زیادہ سچی اور تجربہ کی بات چشم فلک نے نہیں دیکھی، اور نہ آئندہ کبھی دیکھ سکے گی، ارشاد ہوا ﴿ **وجوه يومئذ ناضرة، إلى ربها ناظرة، و وجوه يومئذ باسرة، تظن أن يفعل بها فلقرة، كلا إذا بلغت التراقي، و قيل من راق، و ظن أنه الفراق، و التفت السلق بالسلق، إلى ربك يومئذ المسلق** ﴾ القیامہ: ۲۲-۳۰) ترجمہ: بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے، (یہ تو مومنین کا حال ہوا) بہت سے چہرے اس روز بد رونق ہوں گے، اور خیال کررہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا، ہرگز ایسا نہیں، جب جان ہنسلی تک پہونچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے؟ اور (اس وقت) وہ (مردہ) یقین کرلیتا ہے کہ یہ مفارقت دنیا کا وقت ہے، اور (شدت سکرات موت سے) ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے، اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے۔

یہ ہیں حضرت انسان اور ان کی دولت کا انجام ۔اور ان کے مال کی قیمت ۔اور جس چیز پر اکڑ رہے ہیں اس کی وجاہت، جو حقیقت میں سراپا حقیر وحقارت ہے۔ تجربات کی تصدیق قرآن نے خود کردی ہے۔

میں جناب حسن طارق صاحب سے التماس کروں گی کہ وہ یہ حصہ بھی اپنے مقالہ میں قرآن سے نقل کردیں، تا کہ یہ مقالہ ہمیشہ کے لئے لمحہ فکریہ بن جائے۔

□□□

خطبہ صدارت

ایک صاحب بصیرت وصاحب عزیمت سلطان

رابطہ ادب اسلامی کرناٹک کے سیمینار میں جناب ناظم ندوۃ العلماء کا صدارتی خطاب

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام علىٰ خاتم النبيين محمد، و علىٰ آله و صحبه أجمعين، و بعد:

حضرات! آپ کا شہر بنگلور ہندوستان کا ایک مایہ ناز شہر ہے، اور اس کو جنوبی ہند کے اس خطہ کے مرد حق آگاہ، مجاہد بطل، سیاسی مبصر وانتظامی مدبر، حاکم عدل سلطان فتح علی خاں ٹیپو سلطان شہیدؒ کی مملکت خداداد کا ایک اہم حصہ ہونے کا مقام حاصل رہا ہے، اور جس کو انہوں نے دار السرور کے نام سے موسوم کیا تھا، سلطان شہیدؒ کے عہد حکمرانی کی تاریخ کے اوراق جب الٹے جاتے ہیں تو اس میں اس شہر کا بھی مقام ملتا ہے، اور سلطان شہیدؒ کے مرکز حکومت میسور کے پہلو میں ہونے کی وجہ سے اس کو ان کی توجہ کا حصہ حاصل رہا ہے۔ اس عظیم شہر کا یہ حق تھا کہ سلطان شہید مرحوم کی یاد کو یہاں دہرایا جائے، اور ذہنوں میں پڑی ہوئی ان کی یادوں میں اس شہر کے تعلق کو بھی شامل کیا جائے۔

آج جب کہ اس شہر کو ملک کا ایک تاباں اور درخشندہ شہر قرار دیا جارہا ہے، اور دور وقریب سے لوگ اس کی طرف مائل ہورہے ہیں، اور اس کو دل سے لگا رہے ہیں، ہم کو اس شور وہنگامہ میں اس شہر کے اور اس کے اردگرد کے سابق علاقہ کے ماضی کو بھلانا نہ چاہئے، اور اس کی تابناک تاریخ کی یاد کے سلسلہ میں اس کے عظیم قائد کے تدبر وبصیرت کے واقعات سے بصیرت حاصل کرنا چاہئے، جس نے اس خطہ کی عظیم تاریخ بنائی۔

اس خطۂ تاباں کے تاریخ ساز انسان ٹیپو شہیدؒ کی زندگی میں دو صفتیں ہمارے لئے درس حکمت رکھتی ہیں، ایک ان کی اولو العزمی اور دوسرے ان کی بصیرت ۔اور ان کی زندگی میں ان دونوں صفتوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ تھا۔ ان کی بصیرت جو کہتی تھی ان کی اولو العزمی اس کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتی تھی، ہندوستان کے اس پُر زوال عہد میں جب کہ سات سمندر پار کی ایک اجنبی اور عیار طاقت اپنی ذہانت اور تدبیر سے کام لے کر اس گلستان ہند کے ایک ایک قطعہ کو سلاسل غلامی میں باندھتی چلی جارہی تھی، اور ہمارے اس دیس کے رکھوالے بے بصیرتی کا شکار ہوکر اس کے پا بجولاں ہوتے جارہے تھے، یہ وہ وقت تھا جب کہ یوروپین دنیا میں علمی شغف کے بڑھتے ہوئے اثر سے وہاں کی طاقتیں اپنے ملک سے نکل کر اپنی تحقیق وایجاد کے ذریعہ حاصل کردہ ذرائع ووسائل سے دوسرے ملکوں کو اپنا زیر اثر بنارہی تھیں، انہی میں سے برطانوی حکومت کے سیلابی اثر رکھنے والے حملوں کو روکنے کے لئے سلطان شہیدؒ نے بند باندھنے کی کوششیں کیں، وہ کوششیں ایسی تھیں کہ اگر کامیاب ہوجاتیں تو اس غیر ملکی طاقت کو یہ کہہ کر کہ "آج سے ہندوستان ہمارا ہے" مکمل ڈیڑھ سو سال تک اس ملک کے اطراف واکناف کو اپنے پیروں تلے روندنے کا موقع نہ ملتا، اور ہزاروں ہزار ذی علم وذی وقار بے گناہ شخصیتوں کا خون نہ بہایا گیا ہوتا، لیکن اس مرد مجاہد کو اپنی کمال بصیرت وعظیم اولو العزمی کے لائق معاونین نہ ملے، اور جو معاونین تھے انہوں نے اپنی عظمت وطن کی راہ میں اخلاص ودردمندی اختیار کرنے میں کوتاہی کی، اور ملک کا درخشاں بننے والا مستقبل تاریک بنادیا۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ کی یہ بصیرت تھی کہ انہوں نے برطانوی سامراج کی وہ چیرہ دستیاں اور مشرقی ملکوں کی دولت وحکومت پر قابض ہونے کی کوششیں جو ان ملکوں پر اس کا اقتدار قائم ہونے سے پیش آنے والی تھیں اس کے اقتدار کے قائم ہونے سے قبل ہی ان کا اندازہ کرلیا تھا، اور اپنی ہم وطن اور ہم مذہب طاقتوں کو اس خطرہ سے آگاہ کردیا تھا، اور دنیا کے کسی بھی عظیم مدبر کی یہی کامیاب صفت ہوتی ہے کہ وہ صرف زمانۂ حال تک اپنی فہم وبصیرت کو محدود نہ رکھے، بلکہ اپنی نظر کو مستقبل کے عہد تک پہونچائے، اور پھر اپنی اس بصیرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے لئے ضروری تیاری کرے، اور جو ممکنہ ذرائع واسباب اس کے بس میں ہوں ان کو اختیار کرے۔ اس مرحلہ تک پہونچنے پر اولو العزمی کی ضرورت ہوتی ہے، ہمارے بطل مجاہد میں یہ صفت بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی، ہم کو اس بطل عظیم کی تدابیر نظم ودفاع میں ایسی تدابیر ووسائل ملتے ہیں جن کا وجود مغربی طاقتوں کے جدید تمدنی برتری کے عہد میں ہوا، راکٹ جیسے ذرائع حرب ودفاع کی موجودگی کو دنیا نے پہلی بار سلطان کے حربی آلات میں شامل پایا، جس کو ایک تصویر میں اقوام متحدہ کے مرکز میں آویزاں دیکھا گیا ہے۔

امن اور جنگ دونوں حالات کے لئے ان کے موزوں انتظامات جو سلطان کے عہد کے لحاظ سے قبل از وقت معلوم ہوتے ہیں، سلطان کی زیر عمل کوششوں اور تیاریوں میں پائے جاتے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد قریبی معاونین کے دھوکہ دیدینے سے اگر سلطان کو سابقہ نہ پڑجاتا تو ان کے دشمن کو اس خطہ میں قدم جمانے کا موقع نہ ملتا، اور اس کے نتیجہ میں اس وسیع ملک ہندوستان کو برطانوی سامراج کی چیرہ دستیوں کا باقاعدہ شکار ہونا نہ پڑتا۔

برطانوی دماغ اپنی عددی اور وسائلی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ہندوستان کے اقتدار کی پراگندہ اکائیوں کے درمیان اختلاف بڑھانے اور ایک دوسرے

کولڑانے کو جنگ کی بہترین حکمت عملی سمجھتا تھا، اس کے لئے وہ خوف ولالچ کے دو ذریعوں کو پورے تدبر و حکمت عملی سے اختیار کرتا تھا، اور ان ہی دو ذریعوں سے اس نے اس ملک کو تھوڑا تھوڑا کرکے پورا اپنے اقتدار میں لے لیا، یہی دو ذریعے تھے کہ ملک کی مرکزی حکومت کے حدود کو اپنے اردگرد کے علاقوں کے تعلق سے محروم کرکے دلی تا پالم محدود کردیا، اور پھر اپنی آخری ضرب میں اس کو بھی ختم کردیا۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ نے دشمن کی اس حکمت عملی کو پہلے ہی محسوس کرتے ہوئے اپنی پوری طاقت اس بڑھتے ہوئے حملہ کو روکنے بلکہ توڑنے کے لئے صرف کردی، اور اپنے اردگرد کے حکمرانوں اور مسلم حکومتوں کو اس دشمن کی طرف متوجہ کیا، افغانستان سے ترکی تک کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کیا، اور سب کو مل کر خطرہ کا مقابلہ کرنے کی طرف توجہ دلائی، اور خود اپنی پوری طاقت دشمن کے مقابلہ پر لگادی، اور جب اپنوں کی بے وفائی کے اثر سے شکست کا انجام سامنے دیکھا، اور اس صورت حال میں اپنے سامنے خوف ولالچ کا ذریعہ بطور ذریعۂ نجات دیکھا تو اس سے فائدہ اٹھانے کو انہوں نے ناجائز سمجھا، اور اولوالعزمی کا وہ تاریخی شاندار جملہ کہا کہ ”شیر کی زندگی کا ایک دن گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے“، اور اپنی جان جاں آفریں کو پیش کردی۔ اور بیرونی سامراج کے سامنے سر جھکانے سے اپنے کو محفوظ رکھا، اور رہتی دنیا تک ایک مثال قائم کردی، بصورت دیگر سلطان کو ناز ونعمت کی زندگی گزارنے کا موقع تو حاصل ہوجاتا، لیکن عزیمت اور حق کے لئے قربانی کی یہ مثال سامنے نہ آتی۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ کی عزیمت کی پیکر شخصیت اور ان کے نظم وانتظام جنگ اور ان کی حکومت واقتدار کی اہمیت کا پورا جائزہ ان کے سلسلہ میں نقل کئے جانے والے دو جملوں سے پوری طرح سامنے آجاتا ہے، ایک تو جنگ میں ان کے بالآخر شہید ہوجانے کا علم ہونے پر انگریز جنرل کا یہ جملہ کہ ”آج سے ہندوستان ہمارا ہے“، یہ جملہ بڑا معنی خیز ہے، اور حالات اور توقعات کی پوری تصویر کشی کرتا ہے کہ اس واقعہ سے قبل برطانوی سامراج نے اگرچہ مشرقی ہندوستان اور دیگر متعدد علاقوں پر اپنا قبضہ جمالیا تھا، اور اس کے قدم برابر آگے بڑھ رہے تھے لیکن وہ ہندوستان پر اپنا قابل اعتماد اقتدار حاصل ہونے میں بہت بڑی رکاوٹ سلطان ٹیپو شہید کو محسوس کررہا تھا، اور اس کو اپنی صحیح کامیابی کی امید نہیں تھی جو سلطان کے شہید ہوجانے پر ہوئی۔ سلطان کے علاوہ کوئی دوسرا مجاہد بطل برطانوی اقتدار کے سامنے ایسا نہ تھا کہ وہ برطانوی اقتدار کے آگے بڑھنے اور پورے ملک کو سرنگوں کرنے میں مانع بن سکتا تھا، ورنہ وہ صرف سلطان کی شہادت پر یہ جملہ نہ کہتا، بلکہ یہ کہتا کہ ہم نے فتح کی ایک کٹھن منزل طے کرلی ہے، فتح کی بقیہ منزلیں بھی ہم طے کریں گے۔ اس نے سلطان کی شہادت پر اعتماد سے یہ کہا کہ ”آج سے ہندوستان ہمارا ہے“، حالانکہ ابھی ملک کے متعدد علاقے اس کے اقتدار سے باہر تھے، لیکن برطانوی طاقت کو سلطان کے علاوہ کسی میں یہ دم محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس کی فتح کے آگے بڑھنے میں صحیح رکاوٹ بن سکتا ہے۔

برطانوی جنرل کے اس جملہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان نے برطانوی طاقت سے نبرد آزما ہونے کے لئے ضرورت کے مطابق اور پورے تدبر وحکمت کے ساتھ مناسب تیاری کررکھی تھی جو دوسری ملکی طاقتوں کے پاس نہیں تھی، کیونکہ فتح وشکست محض ایک شخص یا چند اشخاص کے زور بازو کے اثر سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے تدبر وحکمت اور جنگ کے بہتر سے بہتر وسائل کے ذریعہ ہوتی ہے، جس کا اس برطانوی جنرل کو علم تھا کہ مدبر واولوالعزم قائد کے باقی نہ رہنے پر وہ تیاریاں اور وسائل جو خود اس کی تدبیر سے ہوتے ہیں اس کے بعد کوئی خاص کردار انجام نہیں دے سکتے۔ اس طرح صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ سلطان نے حرب ودفاع کے لئے کیا کیا انتظامات اختیار کئے ہوں گے، اور کیا کیا وسائل تیار کئے ہوں گے، اور اس کی مثال راکٹ کا ایجاد کرلینا ہے جو اس عہد کے لحاظ سے غیر معمولی تدبیر وذریعہ تھا۔

دوسرا جملہ جو سلطان کی عزیمت اور ناقابل شکست ہمت کی علامت بنا، اور جو کسی بھی قائد کے اعلیٰ ترین سطح پر ہونے کی دلیل ہے، وہ ہے: ”شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے“، اور پھر اس قول کو عمل میں لاکر دکھادینا ہے کہ بلند عزیمت و ہمت کا قائد کا یہ مقام ہوتا ہے، اور اگر غور کیا جائے تو اس جملہ کی روح اس مجاہد بطل کی قائدانہ زندگی کے تمام معاملات میں جاری وساری رہی، اور ایک طرف اس کی طاقت وحکومت کو مضبوط سے مضبوط تر بناتی رہی، اور دوسری طرف اپنے ملک کے باشندوں کی نظر میں اس کو بلند سے بلند مقام عطا کرتی رہی، چنانچہ آج تک اس کے علاقہ کے باشندے اس کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔

اس جملہ کے اندر عزم وحوصلہ کے جو معانی پنہاں ہیں وہ سلطان کی زندگی میں اس کے تمام پُر عزیمت کاموں میں اس کے رہنما رہے، کسی بھی ذمہ دار حکمراں کی عزیمت وحکمت سے آراستہ حکمرانی جس میں تمام رعایا کا بفرق مراتب خیال، اور ان کے امن و راحت کی فکر، ان کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ، اور ملکی حالات اور ضروریات کو بہتر بنانے کی طرف توجہ اور ذاتی معاملات پر ملک وقوم کے مفادات کو ترجیح دینا اور اخلاق وکردار کے اعلیٰ معیار کو اختیار کرنا، اور ان تمام امور میں ایک جرأت مند اور شجاع قائد کی خصوصیات اختیار کرنا، ملک کی متنوع ضرورتوں کے لئے ان کے لائق نظم وانتظام کرنا، علم کی ترقی وعلماء پروری اور سیاسی و حربی معاملات کے ساتھ سماجی اور اخلاقی معاملات پر بھی پوری نظر اور اس کے لئے ضروری نظم۔ یہ وہ مختلف گوشے ہیں جو پُر عزیمت اور حوصلہ مند شخصیت میں خود بخود جمع ہوجاتے ہیں، اور صاحب عزیمت اور صاحب حوصلہ شخص ان کو پورا کرتا ہے۔

سلطان ٹیپو نے برطانوی سامراج کے متعلق چیرہ دستی اور ملک گیری کا جو اندازہ کیا تھا اس کو ان کے بعد کی تاریخ نے صحیح ثابت کردیا، ہندوستان پر قبضہ کرنے کے ساتھ برطانوی سامراج نے اپنی ملک گیری کو پھیلاتے ہوئے ایشیا کے مشرقی حصہ سے شمالی افریقہ کے علاقے تک مختلف خطوں پر اپنا اقتدار جمالیا، یہ سب عموماً مسلم ممالک تھے، شمالی افریقہ میں مصر وسوڈان پر بھی اپنا قبضہ قائم کرتے ہوئے ترکی کو جو اس کا ہمدرد رہا تھا اس کے ماتحت مختلف علاقوں کو بغاوت پر اکسا کر ترکی کو چھوٹا اور محدود ملک بننے تک پہونچادیا، فلسطین میں اسرائیل کے قدم جمانے کی تدبیر کی، اور ترکی کی قوم کو اسلام سے دور کرنے پر اس کے قائد کو مائل کیا جس کے نتیجہ میں ترکی جو اسلامی وحدت وطاقت کا مرکز تھا، اور اس کے اقتدار کا امین تھا اسلامی اقدار سے بھی منحرف بن گیا تھا۔ اور اس طرح ٹیپو شہیدؒ نے جو خطرہ محسوس کیا تھا وہ صحیح ثابت ہوا۔

ٹیپو سلطان کی عظیم شخصیت اپنے عہد میں چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان ایک اونچے پہاڑ کی حیثیت رکھتی تھی، اس کے حالات اور کردار کے مطالعہ سے کسی بھی صاحب عزیمت حاکم کو اعلیٰ رہنمائی ملتی ہے، اور اس جیسی شخصیت کے لئے احترام وقدر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کارناموں کو قبول فرمائے اور اپنے قرب میں اعلیٰ جگہ عطا فرمائے۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ کی شخصیت اور خدمات پر سیمینار رابطہ ادب اسلامی کی کرناٹک شاخ کی طرف سے منعقد کیا جانا سرسری طور پر دیکھنے میں رابطہ کے موضوع سے بظاہر ہٹی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن دو پہلو اس سیمینار کے برمحل ہونے کے اسباب میں شمار کئے جاسکتے ہیں، ایک تو یہ کہ یہ شخصیت کرناٹک کی عظیم تاریخ ساز اور اس کے ماضی کی تابناک شخصیت ہونے کی بناء پر کرناٹک کے کسی بھی علمی اور ادبی ادارہ کے اہتمام وتوجہ کے دائرہ میں آتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ادب کے موضوع کو صرف چاشنی وحلاوت کے دائرہ ہی میں محدود نہیں کیا جاسکتا، تاریخ کی وہ شخصیتیں جو ادیب تو نہ ہوں لیکن ان کے فکر ورجحان کے اثر سے مختلف ذہنوں کی ادبی آبیاری ہوتی ہو، اور زندگی کے نشیب وفراز کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی وتصویر کشی کا مواد حاصل ہوتا ہو خاص ادب کا موضوع تو نہیں لیکن ادب کے موضوعات پر کام کرنے والوں کے لئے ایک اچھا میدان عمل بنتا ہے۔ سلطان شہیدؒ کی زندگی کا اس پہلو سے بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے، اور کم از کم ان کی زندگی کے متنوع پہلوؤں میں اس کو تلاش کیا جاسکتا ہے، جس کو اگر الفاظ میں نہیں تو سیرت و کردار میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

رابطہ ادب اسلامی کی کرناٹک شاخ کے ذمہ دار حضرت امیر شریعت مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی زیدت مکارمہ اور مولانا شاہ سید مصطفی رفاعی جیلانی ندوی زید لطفہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس عظیم اور زندگی کے پُر اثر اور دلنواز پہلوؤں کی حامل شخصیت کو سیمینار کا موضوع بنایا، اور وہ اپنی توجہ و اہتمام سے اس کو مہتم بالشان مذاکرۂ علمی کی شکل میں انجام دے رہے ہیں۔ ہم ان دونوں حضرات کے اور ان کے معاونین کے شکرگزار ہیں۔ ☆☆☆

......بقیہ: موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داری....

سے ہر ایک کو اس کی زندگی کے صرف چند سال کا فائدہ ہے، پھر بعد میں پکڑ اور سزا ہی سزا ہے تو کیا فائدہ ہے؟ قیامت کے بعد جب یہ زندگی ختم ہوگی تو ان کو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے ان پر رشک نہ کرو، رشک کرنے کی بات یہ ہے کہ دوسری زندگی میں جو آخرت کی زندگی ہے اس میں ہم کو کیا ملے گا؟ جو نہ ختم ہونے والی زندگی ہے، جس کو سال اور دن کے لحاظ سے کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ اس زندگی میں ہم کو کیا ملے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ یہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اگر ان کا حال درست ہو تو اس زندگی میں بھی دیتا ہے اور دوسری زندگی میں بھرپور دیتا ہے، دنیاوی زندگی میں بقدر ضرورت دیتا ہے، اور اصل وہاں دیتا ہے جو آخرت میں ملنے والا ہے، اور کافروں کو تو یہ ہے کہ ان کو جو بھی ملتا ہے صرف اسی چند روزہ زندگی میں ملتا ہے، اور ایک جگہ تو اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ مسلمان کافروں کی دولت دیکھ کر بہک جائیں گے تو ہم کافروں کو ایسے ایسے محل دیتے کہ وہ سونے چاندی کے محل ہوتے، اس کے زینے اور راستے سونے اور چاندی کے ہوتے، کہ مزہ اڑالیں، ﴿ولولا أن يكون الناس أمة واحدة لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفاً من فضة و معارج عليها يظهرون، ولبيوتهم أبواباً و سرراً عليها يتكئون و زخرفاً، و إن كل ذلك لما متاع الحياة الدنيا، و الآخرة عند ربك للمتقين﴾ (سورہ الزخرف: ۳۳-۳۵) ان کو کچھ زیادہ ملتا ہے تو ان کی صرف دنیا کے لئے محنت کرنے پر صرف دنیا تک کے لئے ملتا ہے، یہ صرف چند برسوں کا مزہ ہے، اس سے زیادہ ان بیچاروں کو ملتا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کافروں کو اتنا نہیں دے رہے ہیں کہ اس کو دیکھ کر مسلمان بہک جائیں، ورنہ یہ چیزیں اصلاً مسلمانوں کو آخرت میں ملنے والی ہیں، اگرچہ اس دنیا کے اندر بھی اللہ تعالیٰ ان کو راحت عطا فرمائے گا، ان کی ضرورت کے مطابق ان کو عطا فرمائے گا، لیکن یہ اس وقت ہے جب ہم اللہ کو راضی کرنے کی زندگی اختیار کریں گے، ورنہ پھر وہی معاملہ ہوگا جو دوسری قوموں کے ساتھ ہوا ہے۔

ہمیں اس کی فکر کرنی چاہئے، اور ہمیں اپنے کو بھی درست کرنا چاہئے، اور اپنے معاشرہ کو بھی، اور یہ کہ ہم کو داعی بننا چاہئے تاکہ ہم اپنی ذمہ داری انجام دینے میں سرخرو ہوں اور قیامت میں دوسری امتوں کے لئے گواہ بننے کے قابل بھی ہوسکیں۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

☆☆☆

سلطان ٹیپو شہیدؒ ایک مثالی حکمراں

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(صدر کلیۃ اللغۃ، دارالعلوم ندوۃ العلماء)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد:

سلطان ٹیپو شہید سیمنار کے منتظمین کی طرف سے مجھ سے سلطان شہیدؒ کی علمی خدمات پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی، شروع میں مضمون کا عنوان شخصیت کی بنیادی خصوصیات اور شہرت سے غیر متعلق معلوم ہوتا تھا، اس لئے کہ سلطان شہیدؒ کا نام آتے ہی ذہن ان کے مجاہدانہ کارناموں ان کے جذبۂ شہادت، ان کی غیرت وحمیت اور ذلت کے ساتھ زندگی گذارنے پر موت کو ترجیح دینے اور اپنے عصر کی ابھرتی ہوئی سب سے بڑی بیرونی طاقت سے ٹکر لینے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، ان کا وہ تاریخی مقولہ کہ "گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے" مثل کی طرح مشہور ہے، ان کے تذکرہ میں ان کا یہ جملہ نمایاں طور پر نقل کیا جاتا ہے، اور ذہن اسی پر مرکوز ہو کر رہ جاتا ہے، ان کے اس جملہ کے ساتھ جنرل ہارس کا یہ تبصرہ کہ "آج سے ہندوستان ہمارا ہے" جو برطانوی جنرل نے ان کی شہادت کے وقت ۱۷۹۹ء میں کہا تھا وہ بھی ان کے تذکرہ میں اہمیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ برطانوی جنرل کے اسی جملہ سے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فوجی قائد کی شکست کو جو علاقائی حیثیت رکھتا ہے پورے ملک کی شکست کیوں قرار دیا گیا؟۔ اس کی تحقیق سے سلطان شہیدؒ کی دوسری خصوصیات جو بہادری کے ساتھ ان کی شخصیت میں پائی جاتی تھیں، جو دوسرے حکمرانوں میں نہیں تھیں علم میں آتی ہیں۔ ان خصوصیات میں ان کی علمی خدمات، اقتصادی اصلاحات، حوصلہ مندی، وسعت نظری، فطری صلاحیت، روحانی طاقت اور روحانی و مادی قوتوں سے ان کا تعلق نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ اس وقت برطانیہ کے قدم ہندوستان میں جمے نہیں تھے، اس کو ابھی بہت سے معرکے سر کرنے تھے، جن کا سلسلہ ۱۸۵۷ء تک چلا، ہندوستان کے مختلف حصوں میں متعدد حکمرانوں سے انگریزوں کا مقابلہ تھا، لیکن اس جنرل نے اس علاقائی حکمراں کی شہادت کو اپنی مکمل کامیابی کی بنیاد کیوں قرار دیا؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان ٹیپو میں بعض ایسی صلاحیتیں تھیں جو دوسرے حکام میں مفقود تھیں، جن کا اس نے اندازہ لگا کر یہ بات کہی تھی، اور وہ صلاحیتیں شجاعت کے علاوہ تھیں، اس لئے کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی انگریزوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

تاریخ کے مطالعہ سے اس کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے متعدد معرکوں میں انگریزی افواج کو سخت مزاحمت اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا، خود اودھ کی چھوٹی سی ریاست کو شکست دینے میں ان کو صرف اس وقت کامیابی حاصل ہوئی جب ان کو درباری خائنوں کا تعاون حاصل ہوا، ورنہ کئی بار جنگی محاذ پر ان کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا، تاریخ ہند ایسے باہمت، دلیر اور جذبۂ شہادت رکھنے والے قائدین کے تذکرہ سے معمور ہے جس کا سلسلہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک نے ایسے جانباز مجاہدوں کی ایک جماعت تیار کردی تھی جنہوں نے انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا، اور اس کا اعتراف خود انگریز مؤرخین نے کیا ہے۔

سلطان ٹیپو شہید کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے جو عناصر سامنے آتے ہیں ان میں ان کا علمی ذوق بھی ہے۔ ان کے علمی ذوق اور علم کے فروغ کے لئے ان کی کوششوں کا انگریز مؤرخین اور برطانوی کمانڈروں نے بھی اعتراف کیا ہے، جنہوں نے غلبہ کے بعد حالات کا جائزہ لیا۔

علمی قابلیت اور علم دوستی:

ٹیپو سلطان کو بچپن سے علم سے شغف رہا ہے، تاریخ سلطنت خداداد میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا:

"ٹیپو سلطان میں بے حد علمی ذوق پایا جاتا تھا جس نے اس کے اندر مطالعہ کا شوق پیدا کر دیا تھا، کتابیں اس کی رفیق تھیں، اس کے خطوط اس کی قابلیت اور صلاحیت اور باریک بینی کے آئینہ دار ہیں، نوعمری ہی سے ٹیپو میں تحقیق اور علمی جستجو کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اس کے اس انہماک کو دیکھ کر اس کے والد حیدر علی خان نے بڑی شفقت سے کہا: "سلطنت کے لئے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے، اس کے بعد ان کے والد نے ان کو فنون سپہ گری اور شہ سواری سکھانے کے لئے ماہرین فن اصحاب کی خدمات حاصل کیں۔

ان امور سے دلچسپی اور جنگوں میں مشغولیت کے باوجود سلطان کے علمی انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا، اس کا اعتراف خود انگریز مؤرخین نے اور فوجی کمانڈروں نے کیا ہے جنہوں نے سلطان کی زندگی اور ان کے علمی آثار کا مطالعہ کیا ہے یا مشاہدہ کیا ہے۔

کرنل کرک پیٹرک نے جس کے ذمے بعد زوال سلطنت خداداد ٹیپو سلطان کا ذاتی کتب خانہ تھا، اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"سلطان کی تحریر دوسروں کی تحریر سے بالکل علیحدہ تھی، اس کی تحریریں اس قدر مختصر اور پُر معنی ہیں کہ ایک ایک لفظ سے کئی کئی معنی نکلتے ہیں۔"

سلطان اعلیٰ نثر نگار اور باکمال شاعر تھا، علم سے ذاتی دلچسپی کی دلیل وہ اہم کتابیں ہیں جو ان کی نگرانی میں لکھی گئیں، ان میں متعدد مضامین اور اشعار خود سلطان کے ہیں۔

ٹیپو کے کتب خانہ کے نظم کے بارے میں میجر اسٹوارٹ اور پروفیسر آر ایس گھوش لکھتے ہیں:

"کتب خانہ کی ترتیب وتہذیب کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا، سلطان کو تصنیف وتالیف کا بڑا شوق تھا، سلطان کے قلم اور فرمائش سے متعدد کتابیں لکھی گئیں، یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق تھیں۔ سلطان کے فرامین یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، سلطان جس کتاب کا مطالعہ کر چکتا اس پر وہ مہر لگا دیتا، اس طرح اکثر کتابوں پر اس کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔

تاریخ سلطنت خداداد کے مطابق کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ٹیپو سلطان کی چودہ کتابیں موجود ہیں، اس کے علاوہ اردو کی تمام کتابیں انڈیا پرنس لائبریری لندن میں موجود ہیں، جن کا ذکر میجر اسٹوارٹ نے اپنی مرتبہ فہرست میں کیا ہے۔

اس کے کتب خانہ اور علمی اشتغال کا ذکر اکثر مؤرخین نے کیا ہے، An Advanced History of India میں سلطان کی اس خصوصیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"ایک صالح اخلاقی کردار کا انسان، اپنے طبقہ کی مروجہ برائیوں سے پاک، وہ خدا پر قوی ایمان رکھنے والا تھا، وہ بہت ہی تعلیم یافتہ تھا، فارسی، کنڑ، اردو روانی سے بولتا تھا، اور ایک بیش قیمت کتب خانہ کا مالک تھا، ایک بہادر سپاہی اور ایک ہوشیار کمان دار کے ساتھ ساتھ ٹیپو ایک اعلیٰ درجہ کا سیاست کار بھی تھا۔"

مؤرخ آگے لکھتا ہے: "اس نے ملک کی آزادی کو دوسری چیز سے بلند تر سمجھا، اور اس کی حفاظت کی کوشش کرتے ہوئے جان دی، اس کے حسن انتظام کے متعدد انگریز مؤرخین معترف ہیں۔"

غیر مسلموں کے ساتھ اس کا سلوک رواداری پر مبنی تھا، اس کے متعدد خطوط سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندو رائے عامہ کو ہموار کرنا چاہتا تھا، وہ اگرچہ متقی مسلمان تھا، مگر اس نے ہندو رعایا کے ساتھ کسی تمیز کا معاملہ نہیں کیا، اگرچہ بعض انگریز مؤرخوں نے اس کا الزام لگایا ہے۔"

ٹیپو کی مقبولیت:

کیپٹن تسل جو میسور کی تیسری جنگ میں ایک انگریز افسر کی حیثیت سے نمایاں حصہ لے چکا ہے اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

"ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی ہیں کہ وہ جابر وظالم حکمراں ہے، جس کی وجہ سے اس کی رعایا بیزار ہے، لیکن ہم جب اس کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت وحرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے، اور ہوتے جا رہے ہیں، رعایا اپنے کاموں میں معروف ومنہمک ہے۔"

وہ آگے لکھتا ہے: "فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ یورپ کے کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں پیچھے نہیں ہے۔"

ایک دوسرا مؤرخ لکھتا ہے: "جس وقت انگریزی فوج ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ تمام رعیت ہندو اور مسلمان نہایت خوش حال ہے، تمام ملک سرسبز ہے، زراعت اچھی ہو رہی ہے، کل رعیت سلطان کے نام پر فدا ہے، جس وقت انگریزی فوج سرنگا پٹم میں داخل ہوئی تو وہاں کے لوگوں نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے لاکر رکھ دی کہ وہ سلطنت کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔"

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جس وقت انگریزی فوج لوٹ مار میں لگی ہوئی تھی مسلم وغیر مسلم عوام و خواص ٹیپو سلطان کی لاش کے ارد گرد جمع ہو گئے اور سب کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور وہ سب غمزدہ تھے۔"

سلطان ٹیپو مدبر، صاحب بصیرت اور انتظامی صلاحیت رکھنے والے اور عالمی رسوخ رکھنے والے حاکم تھے جن کے روابط علاقہ کے حدود سے باہر بڑی طاقتوں سے قائم تھے، جو برطانیہ کی طاقت وقوت اور عزائم کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں، بلکہ اسکی منافس اور معاند ہوں، ان کے اندر وہ جذبہ تھا جو ناقابل تسخیر تھا، اور ایسی آگ سلگ رہی تھی جو ان کو بے چین کر رہی تھی، وہ ایک بڑی ترقی یافتہ امپائر قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، اور ان کے اندر وہ ذہنی، عقلی، علمی اور روحانی طاقت تھی جو کسی دوسرے حاکم میں نہیں تھی، اسی لئے ان کی شہادت کو ایک علاقہ کی جنگ کا انجام نہیں قرار دیا گیا، بلکہ پورے ہندوستان کی فتح کا پیش خیمہ قرار دیا گیا۔ یہ جملہ اگر مغلیہ سلطنت کے ختم ہونے کے وقت کہا گیا ہوتا تو قابل فہم تھا، اور طبعی تھا۔ یہ انگریزوں کی شخصیت شناسی کی دلیل ہے۔

برطانوی جنرل کے اس جملہ سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اب کوئی حکمراں ایسی صلاحیت کا مالک نہیں ہے جس کو زیر کرنا اتنا دشوار ہو جتنا دشوار اس حاکم کو کرنا تھا، فوجی طاقت کا مقابلہ ایک معرکہ میں نہیں تو دوسرے معرکہ میں، تیسرے معرکہ میں کیا جاسکتا ہے، اس کے لئے دوسرے ذرائع استعمال کئے جاسکتے ہیں، لیکن عقل وتدبر، روحانیت، جذبہ اور انتظامی صلاحیت فوجی طاقت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کے سامنے فوجی طاقت ایک خادم کی حیثیت رکھتی ہے، وہ ایک محاذ پر شکست ہو تو دوسرا محاذ کھول سکتی ہے، جنگ کا دائرہ وسیع کر سکتی ہے، وہ جنگ کا میدان اور حکمت عملی بدل سکتی ہے، وہ علاقائی جنگ کو عالمی جنگ میں تبدیل کر سکتی ہے۔ برطانیہ کا اس وقت سب سے بڑا منافس ملک فرانس تھا، فرانس سے بھی سلطان ٹیپو کا رابطہ قائم تھا، دوسری طاقت عثمانی خلافت اور یورپ کی دوسری حکومتیں تھیں، اور ہندوستان کے مختلف علاقائی حکمراں تھے جن سے سلطان ٹیپو نے رابطہ قائم کیا تھا، سلطان ٹیپو شہید کی زندگی کے مطالعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جنگ کا جو نقشہ تیار کیا تھا وہ برطانیہ کے لئے بڑا چیلنج تھا۔ خدا کی حکمت خدا ہی جانتا ہے، ورنہ حالات اور ان کے کمالات اور امکانات سے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان کو اس معرکہ میں ناکامی ہوگی، خیانت اور غداری کو بھی اس کا سبب نہیں قرار دیا جاسکتا، اسلئے کہ اس کا امکان ہر جنگ میں رہتا ہے، اور ہر مدبر حاکم کو اس کی پیش بندی کرنی پڑتی ہے، اور اس میں سلطان ٹیپو سے غفلت برتنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

سلطان شہیدؒ کی ان خصوصیات کی طرف مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی صاحب ندویؒ نے اشارہ کیا ہے، وہ مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی

کی کتاب سیرت سلطان ٹیپو کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''سب سے پہلا شخص جس کو اس خطرہ (انگریزوں کا غلبہ) کا احساس ہوا وہ میسور کا بلند ہمت، بلند نگاہ اور غیور فرماں روا فتح علی خاں ٹیپو سلطان (۱۲۱۳ھ/۱۷۹۹ء) تھا جس نے اپنی بالغ نظری اور غیر معمولی ذہانت سے یہ بات محسوس کرلی کہ انگریز اسی طرح ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ہضم کرتے رہیں گے، اور اگر کوئی منظم طاقت ان کے مقابلہ پر نہ آئی تو آخر کار پورا ملک ان کا لقمۂ تر بن جائے گا۔

ٹیپو نے ہندوستان کے راجاؤں، مہاراجوں، اور نوابوں کو انگریزوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، انہوں نے سلطان ترکی سلیم عثمانی اور دوسرے مسلمان حکمرانوں اور ہندوستان کے امراء و نوابوں سے خط وکتابت کی، اور اپنے سفراء کو فرانس، ترکی، ایران اور دوسرے ممالک میں بھیج کر بین الاقوامی سطح پر فضا ہموار کرنے کی کوشش کی۔

ان صلاحیتوں کا ذکر کرکے مولانا'' تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان کی تاریخ سلطان ٹیپو سے زیادہ بلند ہمت، بالغ نظر، مذہب ووطن کے فدائی اور غیر ملکی اقتدار کے دشمن سے آشنا نہیں، ان غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے ٹیپو سلطان سے زیادہ مہیب اور قابل نفرت شخصیت انگریزوں کے لئے کوئی نہ تھی''۔ انگریز قائد نے اسی بنیاد پر کہا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔

سلطان ٹیپو کی روحانیت:

ٹیپو سلطان کی شخصیت کے عناصر کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں ایمان ویقین، روحانیت، عقل وتدبر، علم وحکمت، حسن انتظام، وتدبیر مملکت، عوام کی خیر خواہی اور ان کی ترقی وخوشی کی فکر، دین اور دنیا کا اجتماع، علم وعشق کا حسن امتزاج ان کی شخصیت کے اہم عناصر نظر آتے ہیں۔

وہ ایک طرف مجاہد تھے اور عسکری صلاحیتوں کے مالک۔ انھوں نے متعدد فوجی معرکوں میں اپنے سے زیادہ طاقت رکھنے والے دشمن کا مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔ وہ انتظامی صلاحیت میں بھی امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی مملکت کے اقتصادی، تعلیمی، سماجی اور معاشی مسائل کو حل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، اور ایک رفاہی ریاست کے قیام کا تصور رکھتے تھے، اسی کے ساتھ وہ بڑے عابد وزاہد تھے، رھبان باللیل وفرسان فی النهار کی مثال تھے، اور نا قابل تسخیر عزم کے ساتھ، خدا پر یقین رکھتے تھے، اس کے لئے دو واقعات بیان کرنا کافی ہے، جن کا ذکر مولانا الیاس بھٹکلی نے اپنی کتاب میں کیا ہے:

''اس کی دینداری وتقوی کا یہ عالم تھا کہ جنگوں میں مصروف رہنے کے باوجود بلوغ کے بعد اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، جنگ کے ایام ہوں یا اس کے علاوہ، اس نے فجر بعد کی تلاوت کا کبھی ناغہ نہیں کیا، باوضو رہنے کا عادی تھا۔

سری رنگا پٹنم میں مسجد اعلیٰ کے افتتاح کے موقع پر اندرون وبیرون سلطنت سے سینکڑوں علماء وقت کو دعوت دے کر بلایا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ کوئی صاحب ترتیب بزرگ پہلی امامت کریں گے، لیکن جب موقع آیا تو کوئی ایک عالم یا بزرگ بھی اپنے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ صاحب ترتیب ہے۔ جب پورے مجمع سے ایک شخص بھی صاحب ترتیب نہیں نکلا تو سلطان ٹیپو خود آگے بڑھے اور کہا: الحمد للہ میں صاحب ترتیب ہوں''۔

۱۷۸۸ء میں جب دھاڑوار کے قلعہ پر سلطانی افواج کے قبضہ کے لئے دریائے تنکھبدوا کی طغیانی حائل ہوگئی تو سلطان ہی کے حکم سے دریائے نیل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گولے داغے گئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اچانک طغیانی بارش کے تسلسل کے باوجود کم ہونے لگی، اور سلطان نے دریا میں اپنا گھوڑا ڈال کر اپنی پوری فوج کے ساتھ دریا عبور کر کے اس طرف موجود دشمنوں کے خیموں پر دھاوا بول دیا، یہ واقعہ جب اس کے دشمنوں نے دیکھا تو وہ اسکی ولایت کے قائل ہوگئے۔

سلطان ٹیپو کی روحانیت اور دینی غیرت کا مصدر

سلطان ٹیپو شہید جن کی شریعت کی اتباع، روحانیت، ولایت اور دینی غیرت کے چند واقعات اوپر بیان کئے گئے جن کی مثال مسلم حکمرانوں کے تذکروں میں، بلکہ بعض صالحین اور مصلحین کے تذکروں میں مشکل سے ملے گی، ان کی ان خصوصیات کا منبع کیا ہے؟، وہ ظاہر ہے شاہی خاندان کے نظام تربیت سے حاصل ہونے والی نہیں ہیں، فردیت، شجاعت اور قربانی کا جذبہ، یہ خاندانی صفات ہوسکتی ہیں، اس لئے کہ ان کے والد حیدر علی خود ان صفات سے متصف تھے، اور انھوں نے ان کی تعلیم وتربیت کا خصوصی نظم کیا تھا، لیکن اس تربیت کا اثر شعور اور وجدان پر نہیں پڑتا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندویؒ نے کاروان زندگی میں جہاں اپنے خاندان کے اسلاف کا تذکرہ کیا ہے، وہیں شاہ ابوسعید صاحب جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے عصر کے بزرگ ہیں کے تذکرہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''خاندانی روایتوں اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے تذکروں سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سلطان شہید سلطان ٹیپوؒ جو

ترکش مارا خدنگ آخریں

کا مصداق صحیح اور ہندوستانی مسلمانوں کی خودداری، مومن کی فراست اور مجاہد کی غیرت ایمانی کی آخری نشانی تھے، اور جس نے گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دیکر انگریزی افواج کے مقابلہ میں سرنگاپٹن کے معرکہ میں شہادت سے سرخرو ہوکر مسلمانوں بلکہ پورے ہندوستان کی عزت رکھ لی، وہ اور ان کا خاندان حضرت ابوسعید اور ان کے جلیل القدر فرزند حضرت شاہ ابواللیث سے جو سید احمد شہید کے حقیقی ماموں تھے، بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے۔

حضرت شاہ ابواللیث صاحب کا ۱۲۰۸ھ میں

سلطان ٹیپو کی حیات میں سفر حج سے واپس ہوتے ہوئے کوڑیا بندر (جواب منگلور کہلاتا ہے) جو سلطان ٹیپو کی قلمرو میں شامل تھا، اترنا اور مختصر علالت کے بعد وہیں انتقال کرنا اور مدفون ہونا بتاتا ہے کہ اس شاخ سے اس خاندان کا تعلق تھا۔

اس کی توثیق سیرت سید احمد شہید میں وقائع احمدی سے منقول اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ سید صاحب کے کلکتہ کے قیام کے دوران سلطان ٹیپو کے جو شہزادے اور شہزادیاں کلکتہ میں نظر بند تھے ان کی طرف سے محمد قاسم نام کے ایک خواجہ سرا نے آکر دریافت حال کیا، اور شاہ ابوسعید صاحب اور شاہ ابو اللیث سے خاندان کے تعلق کا ذکر کیا، سید صاحب نے فرمایا کہ سید ابوسعید ہمارے نانا اور سید ابواللیث ہمارے ماموں ہیں، دوسرے روز شہزادوں کا پیغام آپ تک پہونچا کہ آپ ہمارے خاندان کے پیرو مرشد ہیں، ہم لوگوں کی بڑی بے نصیبی ہے کہ تمام اہل شہر آپ کے شرف بیعت سے مشرف ہوں اور ہم اس نعمت سے محروم ہیں، آپ غریب خانہ پر تشریف آوری اور دیدار فیض آثار سے ہم کو محظوظ کریں، حضرت سید صاحب تشریف لے گئے اور یہ سب بیعت سے فیض یاب ہوئے۔

اس واقعہ سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ اس خاندان کا شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ایسا تعلق تھا کہ اس کو خاندان کے سارے افراد جانتے تھے، اور یہ عقیدت نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی۔

سلطان شہیدؒ کی ان خصوصیات کو جو ان کو دوسرے حکمرانوں سے ممتاز کرتی ہیں ان کی شجاعت اور آزادی کی تحریک میں ان کے کردار کے بیان میں مؤرخین نظر انداز کردیتے ہیں، جو ان کی زندگی کے سارے پہلوؤں کی روح اور جوہر اصلی اور محرک اساسی ہیں، اور جو ان کی عظمت، ہیبت اور رعب کا باعث ہیں۔ ان کی مثال اس قوت سے دی جاسکتی ہے جو قوت پیدا کرنے والی ہو، جو دوسرے کو متحرک اور منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور اسی محرک صلاحیت کا اندازہ انگریز جنرل نے کیا تھا، اور اس نے اندازہ کرلیا تھا کہ شعلوں کا بجھانا آسان ہے، لیکن جس گرمی سے شعلہ بنتا ہے اس حرارت کا مسخر کرنا ایک بڑا کارنامہ ہے، اور تاریخ نے اس کی تصدیق کی۔ ایک انگریز مؤرخ نے بھی اس کی توثیق کی کہ سلطان ٹیپو کی اگر موت نہ ہوتی تو ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جم نہ سکتے۔

سلطان ٹیپو کا حسن انتظام، رعایا کی فلاح وبہبود کی فکر، غیر مسلموں کے ساتھ روادارانہ رویہ، علم کے فروغ کے لئے ان کی کوشش جامع الامور کا قیام، کارخانوں کے قیام کی کوشش، دین اور دنیا کو جمع کرنے میں ان کا قائدانہ کردار، یہ سارے عناصر دوسرے حکمرانوں کے تذکروں میں متفرق طور پر ملتے ہیں جو ان میں مجتمع تھے۔

عالمی تاریخ اور اسلامی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے، تذکرہ نگار اور مؤرخ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے دعوت وعزیمت کی مفصل تاریخ لکھی ہے ان کا یہ بیان کہ ہندوستان کی تاریخ سلطان ٹیپو سے زیادہ بلند ہمت، بالغ نظر، مذہب ووطن کے فدائی اور غیر ملکی اقتدار کے دشمن سے آشنا نہیں ہے، ان کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سلطان ٹیپو کی دفاعی حکمت عملی:

سلطان ٹیپو کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس عہد کے دوسرے حکمرانوں کی ذہنی، فکری صلاحیتوں اور ان کے سیاسی، دفاعی، اقتصادی، علمی اور تعلیمی نظام کا جائزہ لینا ضروری ہے، اور ان کے علاقوں میں امن وقانون اور رعایا کے مختلف طبقات کے تعلقات اور عوام وخواص کے اعتماد اور تعاون کا مطالعہ کر کے ان کے اور سلطان ٹیپو شہید کے درمیان مختلف شعبوں میں جو فرق ہے اس کا جائزہ لینا چاہئے، اس طرح سلطان شہید کی شخصیت کی اہمیت کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور اس سے انگریز جنرل کے اس تبصرہ کو سمجھا جاسکتا ہے کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح ہے کہ ان کے عہد میں راکٹوں کا تجربہ کیا گیا تھا اور جدید اسلحہ کی تیاری اور بحری قوت بڑھانے کے انتظامات کئے گئے تو ان کی دفاعی میدان میں دوسرے حکمرانوں پر مزید برتری کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے کہ صرف ذاتی شجاعت، ہمت وجرأت جنگ جیتنے کے لئے کافی نہیں ہوتی، جب تک کہ وسائل حرب اور ان کی مزید ترقی کی صلاحیت نہ ہو۔ اس کے لئے علم اور ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے، اور علم اور ٹیکنالوجی کو ترقی دینے کے لئے ان کے اداروں اور با صلاحیت تربیت دینے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ انکے بعض اقدامات سے اسکی توثیق ہوتی ہے۔

اس کی تصدیق صدر جمہوریہ ہند اے پی جے عبدالکلام کی تحریر کردہ خود نوشت سوانح میں درج ان کے بیان سے ہوتی ہے کہ بیسویں صدی میں راکٹ بنانے میں ہندوستان کی ترقی دراصل ٹیپو کے خواب کی بحالی ہے، ملک میں راکٹ سب سے پہلے شیر میسور ٹیپو سلطان نے بنوائے تھے، ان کے کہنے کے مطابق ۱۷۹۹ء میں تروخانہ پلی کی لڑائی میں ٹیپو کی موت ہوگئی تو اس کے بعد انگریزوں نے ۷۰۰ راکٹ اور ۹۰۰ راکٹوں کے ذیلی نظام اپنے قبضہ میں لے لئے تھے۔ (۵)

بحری طاقت بنانے کے سلسلہ میں تاریخ سلطنت خداداد میں تحریر ہے کہ سلطان نے تخت نشیں ہوتے ہی اس جانب پوری توجہ دی، اس کا ارادہ تھا کہ ایک ایسا زبردست بحری بیڑہ بنایا جائے جو ساحل ہند کی حفاظت کے علاوہ ان تمام بحری راستوں کی بھی نگرانی کرے جن سے ہوکر مغربی قومیں ہندوستان آرہی ہیں، اس مقصد کے لئے اس نے بندرگاہ بصرہ، بوشہر، عمان اور عدن کا انتخاب کیا، بھٹکل میں بحری مدرسہ کے قیام کا بھی ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کے لئے دوبارہ قیادت میں آنے کے لئے جو اصول بیان کئے ہیں ان میں سے اکثر سلطان ٹیپو شہید کے اقدامات پر منطبق ہوتے ہیں، ''اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' کے آخر میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو تفصیل سے بیان کیا

ہے۔ اور اسی بنیاد پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان ٹیپو کو بے مثال حکمراں قرار دیا ہے۔

عالم اسلام کا سب سے بڑا خلا:

عالم اسلام کا اس وقت سب سے بڑا خلا اس قائد اور حوصلہ مند انسان کا فقدان ہے جو مغربی تہذیب کا جرأت، اعتماد اور یقین کے ساتھ سامنا کرے، اور اس تہذیب جدید کے مختلف سانچوں، مختلف مکاتب فکر اور راستوں کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کرے، ایسا راستہ جس میں وہ تقلید، نقل، غلو اور انتہا پسندی سے بالاتر نظر آئے اور ظاہری اشکال، مظاہر اور سطحی نقطۂ نظر سے بلند ہو، حقائق اور وسائل، قوت اور مغز کی طرف متوجہ ہو اور اس کے ظاہری خول میں نہ الجھے۔

عالمِ اسلام کا مردِ کامل:

ایسا مرد کامل اور عبقری (Genius) جو اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے ایک ایسی نئی شاہراہ کھولے جس میں ایک طرف وہ ایمان ہو جو محض نبوت کا فیض ہے، وہ دین ہو جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس امت کو عطا کیا، دوسری طرف وہ علم ہو جو کسی خاص ملک یا قوم یا زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ دین سے نیک خواہشات اور جذبات اخذ کرے جو انسانیت کی خدمت اور تہذیب کی تشکیل و تعمیر کے لئے سب سے بڑا ذخیرہ اور سب سے بڑی دولت ہے، وہ صحیح اور صالح مقاصد حاصل کرے جو صرف آسمانی مذہب اور صحیح دینی تربیت سے حاصل ہو سکتے ہیں، اس کے ساتھ مغربی تہذیب کے وہ پیدا کردہ وسائل اور آلات حاصل کرے جو اس کو طویل علمی سفر اور مسلسل اور سخت جد وجہد کے بعد حاصل ہوئے ہیں، لیکن ایمان اور نیک مقاصد کے فقدان کی وجہ سے ان سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا، بلکہ ان کو انسانیت کشی اور تہذیب دشمنی یا بہت حقیر مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔

وہ عالی دماغ، حوصلہ مند انسان جو مغربی تہذیب اور اس کے تمام نظریات انکشاف اور قوتوں کے ساتھ خام مال (Raw Material) کا سا معاملہ کرے اور اس سے ایک نئی اور طاقت ور تہذیب کی عمارت تعمیر کرے، جو ایک طرف ایمان، اخلاق، تقویٰ، رحم دلی اور انصاف پر قائم ہو۔ دوسری طرف اس میں اس کی مخصوص ذہانت، قوت ایجاد اور جدت فکر جلوہ گر ہو، وہ مغربی تہذیب کو اس نظر سے نہ دیکھے کہ وہ تکمیل و ترقی کے آخری مراحل سے گزر چکی ہے، اور اس پر آخری مہر لگ چکی ہے، اور اب اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس کو جوں کا توں اور اس کے سارے عیوب کے ساتھ قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے، بلکہ اس پر علیٰحدہ علیٰحدہ اجزاء کی حیثیت سے نظر ڈالے، جس چیز کو چاہے رد کرے اور جس چیز کو چاہے اختیار کرے، اور پھر اس سے زندگی کا ایک ایسا ڈھانچہ تیار کرے جو اس کے مقاصد، اس کے عقیدہ، اس کے مبادی اور اصول اخلاق کے ساتھ ہم آہنگ ہو، اسلام نے اس کو زندگی کا جو ضابطہ، دنیا کا جو مخصوص نقطۂ نظر، بنی نوع انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کے لئے جو خاص احکام اور آخرت کے لئے مسلسل جد وجہد اور جہاد کا جو جذبہ عطا کیا ہے اس پر مبنی ہو، اور اس سے وہ زندگی وجود میں آئے جس کے متعلق قرآن نے شہادت دی ہے:

﴿من عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة، ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون﴾ (النحل: ۹۷) (جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم دنیا میں بھی اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے اور ان کو آخرت میں بھی ان کے بہترین اعمال کا صلہ ضرور عطا فرمائیں گے)۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ پر یہ سیمینار جس کا انعقاد جامعہ سبیل الرشاد میں اس نو تعمیر ہال کے افتتاح کے موقع پر کیا جا رہا ہے اس لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں اور ان کی متعدد شخصی خصوصیات پر تحقیقی مقالات پڑھے جائیں گے، سلطان شہیدؒ کے اس تاریخی جملہ کی بعض اہل قلم نے غلط تشریحات کی ہیں، اور ان کے اقدام کو غیر سیاسی اور غیر حکیمانہ اقدام قرار دیا ہے، اس لئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ ان کی دوسری خصوصیات اور امتیازات کو نمایاں کیا جائے، جو ان کی شجاعت، جانبازی، جذبۂ جہاد اور شوق شہادت کے ساتھ ان میں پائی جاتی تھیں۔

ہم حضرت امیر شریعت صوبۂ کرناٹک مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی مدظلہ العالی اور ان کے معاون مولانا شاہ قادری مصطفیٰ رفاعی جیلانی ندوی صاحب کی خدمت میں اس سیمینار کے انعقاد پر مبارکباد پیش کرتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ یہ سیمینار اس خدمت کو انجام دے گا، اور ان کی شخصیت پر قلم اٹھانے والوں کے لئے نیا مواد فراہم کرے گا۔

☆☆☆

مراجع

(۱) تحریک آزادی کا امام: ٹیپو سلطان از محمود علی
(۲) سلطان ٹیپو شہید از ڈاکٹر دبیر احمد
(۳) ٹیپو سلطان از پروفیسر عبد المغنی
(۴) جنگ آزادی کا امام ٹیپو سلطان از محمود علی
(۵) سیرت سید احمد شہید از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
(۶) کاروان زندگی از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
(۷) The Sunset at Srirangapatnam after the death of Sultan Tipoo by Moinuddin
(۸) سیرت سلطان ٹیپو شہید از مولانا الیاس بھٹکلی
(۹) اسلامیت و مغربیت کی کشمکش از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
(۱۰) تاریخ سلطنت خداداد از محمود خاں محمود بنگلوری

دعائے مغفرت

☆ ڈاکٹر محمد نعیم صاحب رائے بریلوی ایک مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے، وہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی سے خاص تعلق رکھنے والوں میں تھے۔ ☆ جناب حفیظ نعمانی صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی انتقال کر گئیں۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

شریعت کی روشنی میں جدید مسائل کا حل پیش کرنا وقت کی ایک بڑی ضرورت

فقہ اکیڈمی کے ۱۴ رویں سیمینار میں جناب ناظم ندوۃ العلماء کا ایک فکر انگیز خطبہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء وسيد المرسلين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه اجمعين، أما بعد:

ہندوستانی فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس اکیڈمی کا ۱۴ واں اجلاس ہے۔ قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے عہد حاضر کے نئے تقاضوں کا حل شریعت اسلامی کی روشنی میں پیش کرنے کے لئے اس فقہی مشاورتی کمیٹی کی داغ بیل ڈالی تھی، جس کے تحت فقہی سیمیناروں کے ذریعہ نئے پیدا ہونے والے مسائل کی ایک تعداد کا جائزہ لیا جاتا رہا، اور ملک کے ایسے علماء کو جن کو فقہ اسلامی میں درک حاصل ہے اکٹھا کر کے فقہی امور پر تبادلۂ خیال کیا جاتا رہا، اور مجوزہ مسائل کے سلسلہ میں شریعت اسلامی کی رہنمائی معلوم کی جاتی رہی۔ اور چونکہ زندگی کے نئے پیدا ہونے والے حالات میں شریعت اسلامی کی ہدایات معلوم کرنا اور شریعت پر عمل کرنے والوں کو اسلامی حل بتانا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے لہٰذا اس کو پورا کرنے کے لئے اکیڈمی الحمد للہ کوشاں رہتی ہے۔ اکیڈمی نے اپنے قیام سے ابتک مختلف لائق استفسار معاملات پر شرعی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ۱۳ سیمینار منعقد کئے۔ اور شریعت اسلامی کی روشنی میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے حل تجویز کئے۔

یہ سیمینار اکیڈمی کے مؤسس و سربراہ اول مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی وفات کے بعد پہلا سیمینار ہے جو اکیڈمی کے نئے صدر مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی کی صدارت، اور اس کے نئے جنرل سکریٹری مولانا محمد خالد سیف اللہ رحمانی کی کوشش و اہتمام سے منعقد ہو رہا ہے، اور اس کا انعقاد جامعہ سبیل السلام حیدرآباد اپنے سربراہ مولانا محمد رضوان القاسمی کی فکر و توجہ سے کر رہا ہے، یہ حضرات اور ان کے سب رفقاء و معاونین اپنی ان نیک کوششوں پر قابل مبارکباد ہیں۔

حضرات! ہندوستان جیسے ملک میں جو مسلم آبادی کے لحاظ سے دنیا کے ملکوں میں نمبر ۲ پر ہے، لیکن مسلمان یہاں اقلیت میں ہیں، اور ملک کا دستور سیکولر ہے اس اکیڈمی کی بڑی اہمیت ہے، اور یہ اس ملک کے مسلمانوں کی فقہی رہنمائی کا جلیل القدر کام انجام دے رہی ہے۔ آج کے سیمنار میں مسلم اور غیر مسلم تعلقات، اسلام اور امن عالم، اہم سماجی خدمات کے لئے وقف کا قیام، جلاٹین اور دیگر کیمیاوی اشیاء کا حکم زیر غور آ رہا ہے۔

یہ چار موضوعات ہیں، ان میں اول الذکر تین موضوعات ملکی اور بین الاقوامی زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات ہیں۔ اور یہ دراصل فکر اسلامی کے دائرہ میں آتے ہیں جو عہد حاضر کی زیر عمل تمدنی و سیاسی زندگی کے سرگرم ملکی و بین الاقوامی حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور چوتھا موضوع حلال و حرام کے شرعی احکام کے دائرے میں آتا ہے، جو اکیڈمی کا اصل دائرۂ فکر و تحقیق ہے، جب کہ اول الذکر تین موضوعات میں موجودہ جمہوریت، آزادی اور مساوات عامہ کے مروجہ نظام زندگی کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ یہ جدید زیر عمل نظام زندگی قدیم نظام زندگی سے بہت مختلف ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ گذشتہ عہد کا نظام زندگی سیاسی و فوجی طاقت کا تابع تھا، اور ایک طبقہ و مذہب کا دوسرے طبقہ اور مذہب پر برتری کا حق رکھنے والا نظام زندگی تھا۔ اس میں حاکم اعلیٰ کو ڈکٹیٹر کی حیثیت حاصل ہوتی تھی، اور مذہبی و طبقاتی دائروں میں بھی اسی کو تصرف و اختیار کا حق حاصل ہوتا تھا، لہٰذا ملک کے باشندے اس سابق نظام میں صرف حاکم کے رجحان اور مذہب کے تابع ہوتے تھے، دوسرے کسی مذہب کو اگر رعایت ملتی بھی تھی تو وہ محدود طرز کی ہوتی، اس طرح کے سیاسی نظام میں اسلامی نقطۂ نظر سے دار الاسلام اور دار الکفر کی حد بندی کی ضرورت سمجھی گئی۔

جہاں اسلامی اقتدار ہوتا اس کو دار الاسلام، اور جہاں یہ اقتدار نہ ہوتا اس کو دار الکفر کہتے، دار الکفر کہے جانے والے ملک میں اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے اس اقتدار کے علاقہ کو اس اصطلاح سے موسوم کیا جاتا، اور اس علاقہ سے دار الاسلام کی طرف منتقلی دین پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہوتی تھی، جہاں اسلامی تعلیمات پر عمل کی سہولت ہوتی تھی، لیکن موجودہ عہد میں یہ صورت حال نہیں رہی ہے، اب عموماً شخصی آزادی اور جمہوری و عوامی مساوات کا نظام قائم ہے، اس میں کسی فرد کی دوسرے افراد وطن پر برتری تسلیم نہیں کی جاتی۔ اور نہ حاکم محض اپنے رجحان و مذہب کو اپنے عوام پر عائد کرتا ہے، کسی متعین مذہب کی بالادستی نہیں ہوتی، ہر مذہب کو اپنے متعین دائرہ میں قائم رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، اور دوسرے کے مذہبی دائرہ پر اپنی رائے چلانے کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا، مذہبی مسئلہ ملک کے افراد کا اپنا نجی مسئلہ قرار دیا جاتا ہے، البتہ سماجی اور اجتماعی معاملات میں عوام کے نمائندوں کے طے کردہ دستور اور قانون کی پابندی کرنا ہوتی ہے، اور اسی دستور کے مطابق چلنا ہوتا ہے، اس میں کسی مذہب یا ثقافت کے کچھ معاملات اگر ملک کے نظام اور قانون سے ٹکرائیں تو ان کو چھوڑ کر ملک کے طے کردہ نظام کی پابندی کرنا ضروری ہوتا ہے، لیکن علی العموم انفرادی یا سماجی معاملات میں جو مذہب، ثقافت یا طبقاتی اصولوں کے تحت آتے ہوں ملک کے شہری کو اپنی رائے اور پسند کا اختیار اور اجازت ہوتی ہے، لیکن ملک کے دستور کے طے کردہ معاملات میں الگ رائے تسلیم نہیں کی جاتی، اس طرح دنیا کا ہر ملک جو موجودہ

جمہوری اصولوں پر مبنی ہو ایک دائرہ میں دار الاسلام میں حاصل ہونے والے حقوق جیسے حقوق دیتا ہے، اور بعض امور میں دار الحرب کی رکاوٹوں جیسی رکاوٹ رکھتا ہے، اور اب یہ نظام صرف غیر مسلم ملکوں ہی میں نہیں بلکہ اسلامی نام نہاد ملکوں میں بھی قائم ہے، اور اس کو سیکولر نظام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، جس میں حکومت کو اپنے عوام کے مذہبی امور سے سروکار رکھنا نہیں ہوتا، اس صورت میں پہلے موضوع کے لحاظ سے مسلم اور غیر مسلم کے تعلقات مساویانہ اور آپسی تعاون کے ہونے ضروری سمجھے جاتے ہیں، اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی مذہبی رکاوٹ نہیں، لیکن اگر مذہبی رکاوٹ ہو تو ہر مذہب والے علیحدہ علیحدہ حل اختیار کر سکتے ہیں، اور اپنے مذہب وثقافت کے مطابق زندگی گزار سکتے ہیں، اس بات کی ان کو پوری آزادی ہوتی ہے، لیکن اگر کسی کے مذہبی معاملہ کا ملکی نظام اور دستور سے ٹکراؤ ہو، یا وطنی بنیاد پر ملکی قوانین کسی کی آزادیٔ رائے یا مذہبی عمل کے خلاف ہو اور وہاں اس کے مذہبی امور میں اختیار حاصل ہونے میں رکاوٹ ہو تو مسئلہ قابل غور اور حل طلب بنتا ہے، لیکن بہر حال سیکولر نظام میں مسلم اور غیر مسلم کے مساوی ہونے کی بناء پر وطن کا ہر باشندہ دوسرے باشندہ کا بھائی قرار دیا جاتا ہے، اور دونوں یکساں مرتبہ اور حقوق کے حامل ہوتے ہیں۔

اس صورت حال میں ملک کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ایک شہری پر عائد ہوتی ہیں ان کو سلام کے حقوق انسانی کے دائرہ میں رکھتے ہوئے دیکھا جائے گا، اور ان میں سے جو فرائض وحقوق انسانی وحدت کے دائرہ میں آتے ہیں ان میں ہم کو مملکت کے اختیار کردہ اصولوں کو اپنانے میں دشواری نہیں، اور اس طرح کے حقوق وذمہ داریاں زیادہ تعداد میں اسلام کی ہدایات کے اندر بھی آجاتی ہیں، اور جو بچ جاتی ہیں ان میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ یہ غور طلب ہوگا، بادی النظر میں ایسے امور میں ہماری حیثیت ایک طرح سے مجبوری کی بنتی ہے، اور اس مجبوری کا کوئی خاص بدل اس وقت نظر نہیں آتا، کیونکہ اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کی سہولت آج کل مسلم اقتدار رکھنے والے ملکوں میں بھی پوری نظر نہیں آتی، مزید یہ کہ کسی ملک کو دار الکفر قرار دیکر وہاں کے باشندوں کی کسی دوسری جگہ منتقلی قابل عمل بھی نہیں رہی۔ البتہ ایسے نظام میں مسلمانوں کے اپنے مذہبی عمل کے جاری رکھنے کے لئے دو اداروں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک شریعت کے تحفظ کا ادارہ جو مذہبی احکام پر عمل کے اختیارات کے بقاء اور جو اختیارات روکے گئے ہوں ان کے حصول کے لئے قانونی ودستوری کوشش کی ذمہ داری انجام دے، دوسرا ادارہ فقہ اسلامی کے جدید مسائل کے لئے بدلتی ہوئی زندگی اور نظام زندگی میں ابھرتے ہوئے فقہی سوالات کا حل قرآن وحدیث اور ائمۂ فقہ کے آراء کی روشنی میں پیش کرے، اور الحمد للہ ہمارے ملک میں یہ دونوں ادارے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے نام سے قائم ہیں، اور اپنی موقر ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔

زیر غور پہلے موضوع یعنی مسلم اور غیر مسلم تعلقات کے بارے میں دیکھا جائے تو ہم کو انسانی اخلاق وحقوق کے اسلامی اصولوں سے مثبت رہنمائی ملتی ہے، قرآن مجید کی آیت ہے کہ ﴿یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی ، و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ، إن أکرمکم عند الله أتقاکم﴾ اور اسلام میں پڑوسی کے جو حقوق بتائے گئے ہیں ان سے بھی مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اچھے تعلقات رکھنے کے معاملہ میں بڑی روشنی ملتی ہے، اور ہمارے اسلاف کا کردار بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں اسی کے مطابق ملتا ہے، جس کو اختیار کرنے پر ہم غیر مسلموں کے ساتھ پوری ہمدردی اور رواداری کا برتاؤ کر سکتے ہیں، اور ان کے ساتھ اپنے تعلقات کو اچھا بنا سکتے ہیں، اور جہاں تک ایک دوسرے کی تکلیف دور کرنے کا اور اچھا سلوک کرنے کا تعلق ہے تو اسلامی تعلیمات میں جانوروں تک سے اچھا برتاؤ کرنے اور برے برتاؤ سے گریز کرنے کا صراحۃ حکم آیا ہے، ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر جنت اور ایک بلی کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالنے پر جہنم ملنے کا ذکر آیا ہے، تو اسلامی رشتہ وتعلق نہ ہونے کے باوجود پڑوسی ہونے کے تعلق سے اور جاندار مخلوق ہونے کے تعلق سے حسن سلوک کا جب حکم آیا ہے تو ایک ملک میں ایک ساتھ رہنے والے مسلم اور غیر مسلم کے مابین تعلق میں پڑوسی ہونے کا تعلق، اور کم از کم انسانی تعلق اور ذی روح کے ساتھ حسن سلوک کا حق ہونے کا تعلق بہر حال پایا جاتا ہے، اور حضور پاک ﷺ کی حیات طیبہ میں غیر مسلم کے ساتھ حسن سلوک کی مثالیں ملتی ہیں، اس لئے مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ انسانی ہمدردی کا برتاؤ کرنا اور کمزور وضرورت مند کی رعایت کے تقاضوں کو پورا کرنا اور پڑوسی کے حق کا خیال کرنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے۔

اسلام میں انسانی ہمدردی اور انسانوں کو تکلیف سے بچانے کی جو ترغیب دی گئی ہے، اور جس سلوک کے سلسلہ میں ہر ذی روح کے ساتھ ہمدردی کرنے پر ثواب کی امید دلائی گئی ہے اس پر وسیع سطح سے عمل کیا جائے تو امن عالم کے قیام میں اسلام کا حصہ زیادہ نمایاں نظر آئے گا۔ اسلام میں تو اس بات کا بھی خیال رکھنے کی تلقین کی گئی ہے کہ راہ میں کہیں کوئی ایسی چیز پڑی ہو جس سے راہ چلتے کسی کو ایذا پہونچ سکتی ہو تو اس کو ہٹا دے، ظاہر ہے کہ راہ چلنے والا مسلم بھی ہو سکتا ہے اور غیر مسلم بھی۔ اپنے خاندان کا بھی ہو سکتا ہے اور غیر خاندان کا بھی۔ اپنے پیشے کا بھی ہو سکتا ہے اور کسی دوسرے کے پیشے کا بھی۔ اپنے ملک کا بھی ہو سکتا ہے اور غیر ملک کا بھی۔ تو اس ہمدردی کا خیال رکھنے کی تاکید کی صورت میں پوری انسانی برادری کے ساتھ پُر امن بقائے باہم کا طریقہ اسلام کا پسندیدہ طریقہ ثابت ہوتا ہے، اور جہاں تک امن عالم کا تعلق ہے تو جو بات مسلم اور غیر مسلم تعلقات کے سلسلہ میں ابھی عرض کی گئی ہے اگر اس پر عمل ہو تو یہی وسیع دائرہ میں امن عالم کا بھی ذریعہ بن جاتا ہے، اس صورت میں امن عالم کے قیام میں مدد خواہ اجتماعی انداز سے کی جائے یا انفرادی سطح سے کی جائے اسلام کی نظر میں پسندیدہ فعل ہے، بلکہ امن عامہ میں مدد کرنے سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ امن کو بگاڑنے والوں کے ساتھ اسلام میں سخت کارروائی کا حکم ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ﴿من أجل ذلك كتبنا على بني إسرائيل أنه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً، و من أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً﴾۔

ان باتوں کو دیکھا جائے تو امن عالم کے قیام کی طرف توجہ زیادہ تر اسلام ہی میں ملتی ہے، اور خاص طور پر مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن یہ کام تنہا مسلمانوں کے اختیار میں نہیں ہے، اس کی فکر دیگر لوگوں پر بھی عائد ہوتی ہے، اور امن کو بگاڑنے والے کو امن خراب کرنے سے روکنا بھی ضروری ہے، اور یہ صحیح ہے کہ اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر کچھ زیادہ آتی ہے۔

اور امن عالم کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اُسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب سب کی طرف سے دہشت گردی کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے، اور یہ صرف عوام کے بس میں نہیں ہے، البتہ عوام اس ذہنیت کو رواج دینے کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور دیگر تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کے امن اور سلامتی کا نظام بنایا اور مقرر کیا، جس کی رو سے اگر ہر ایک اس کا التزام رکھے کہ اس کی طرف سے دوسرے کو تکلیف نہ پہونچے، اور اس کی طرف سے دوسرے کے ساتھ زیادتی نہ ہو، اور دوسرا بھی یہی اہتمام رکھے، اور حکومتیں بھی اس کی طرف خصوصی توجہ کریں اور پُر امن ذرائع کو زیادہ اختیار کریں تو دنیا میں امن وسلامتی قائم ہونے میں خصوصی مدد ملے گی، اور امن عالم قائم ہونا آسان ہو جائے گا۔

تیسرا موضوع سماجی خدمات کے لئے وقف قائم کرنے کا مسئلہ بھی اسی سے بڑی حد تک وابستہ ہے، اور اس میں جو ہمدردی اور انسانوں کی تکلیفات دور کرنے کا عمل ہے وہ ایک دوسرے کے دل میں ایک دوسرے سے تعلق اور انس کو بڑھانے والا ہے، اور جب آپسی انس ومحبت میں اضافہ ہوگا تو انسانی معاشرہ ایک خیر پسند معاشرہ بنے گا، انسانوں کی جو سماجی انجمنیں بیماروں اور پریشان حال لوگوں کی ہمدردی کرتی ہیں، اور دکھ درد دور کرنے کے لئے جو مدد دیتی ہیں ان کو سب ہی اچھی نظر سے دیکھتے ہیں، خواہ ان کا مذہب اور وطن کوئی بھی ہو، اور ایسی انجمنیں قائم کرنا اور چلانا مسلمانوں کا ایک اہم فریضہ بنتا ہے، اس کے لئے اگر وقف قائم کیا جا سکتا ہو تو اس کام میں مزید مدد مل سکتی ہے، اور اس کے لئے کوشش اور تعاون کرنا چاہئے۔

جلاٹین کا مسئلہ فقہی عمل کا مسئلہ ہے، حلال و حرام کے شرعی پیمانوں سے اس کو ناپنا فقہی کوشش کا ایک حصہ بنتا ہے، اس کو فقہ کے ماہرین جلاٹین کے اجزاء سے واقف حضرات سے تبادلۂ خیال سے حل کر سکتے ہیں۔

امید ہے کہ ہمارا یہ سیمینار مذکورہ بالا امور اور مسائل پر غور وفکر کے بعد مناسب توضیحات وہدایات انجام دیگا۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

☆☆☆

جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی مدظلہ العالی (معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) انشاء اللہ ۱۶ر جولائی کو ندوہ، لکھنؤ تشریف لا رہے ہیں، مولانائے محترم کا قیام انشاء اللہ چند ہفتوں ہندوستان میں رہے گا۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)

کے زیر اہتمام

جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلا وطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

☐ برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا ـــــــــــ و

☐ برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا

☐ ان اداروں میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔

☐ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ۔ (بانی وناظم اعلیٰ)

فون:0091-755-2543466, 2642715

موجودہ عالمی حالات اور ہماری ذمہ داریاں

(حضرت مولانا) محمد رابع حسنی ندوی

(نوٹ: مذکورہ بالا عنوان کے تحت حضرت مولانا مدظلہ العالی نے مورخہ ۲۱ر جون ۲۰۰۴ء کو بعد نماز مغرب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی میموریل سینٹر حیدر آباد کے کانفرنس ہال میں پڑھے لکھے دانشور طبقہ کے ایک منتخب مجمع کے سامنے ایک اہم خطاب فرمایا، خطاب ٹیپ کرلیا گیا تھا، اب کیسٹ سے نقل کر کے حضرت مولانا مدظلہ العالی کی نظر ثانی اور کچھ حذف و اضافہ کے بعد ہدیۂ ناظرین ہے۔) (اقبال احمد ندوی)

الحمد لله رب العالمين ، و الصلاة و السلام على خاتم الأنبياء و سيد المرسلين محمد بن عبد الله الأمين ، و علىٰ آله و صحبه اجمعين ، اما بعد :

بزرگو اور دوستو! آج دنیا میں مسلمانوں کو بہت سے مسائل درپیش ہیں، اور ان کے حل کی کوششیں جاری ہیں، قدرتی طور پر ذہن میں تقاضے پیدا ہوتے ہیں کہ مسائل کو حل کرنے کے لئے جو مناسب تدابیر ہیں وہ کیسے اختیار کی جائیں، اور کس طریقہ سے یہ امت صحیح امت بنے؟۔ اس امت سے اللہ تعالیٰ نے خصوصی کام متعلق فرمایا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کو یا بندوں کی کسی جماعت کو کوئی اعزاز عطا فرماتا ہے تو فضول اور یوں ہی بغیر کسی وجہ کے عطا نہیں فرماتا، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی کچھ بنیاد اختیار فرماتا ہے۔ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانہ میں خیر امت قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ہم نے سارے جہانوں پر ان کو فضیلت دی ہے، اور یہ کہ ہم نے جان بوجھ کر ان کو فضیلت دی ہے، فرمایا: ﴿ و لقد آتينا بني إسرائيل الكتاب و الحكم و النبوة ، و رزقنٰهم من الطيبات ، و فضّلنٰهم على العالمين ﴾ (سورہ جاثیہ: ۱۶) اور فرمایا: ﴿ و لقد اخترنٰهم على علم على العالمين ﴾ (سورہ دخان: ۳۲) یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم نے کسی خوش فہمی یا شخصی حسن ظن میں ان کو فضیلت دیدی چونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ بہت راضی ہیں تو اس بنیاد پر بطور انعام کے اللہ نے ان کو یہ فضیلت دیدی، تو ایسی بات نہیں ہے بلکہ فرمایا ﴿ علىٰ علم ﴾، جان بوجھ کر یہ کیا، اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی: ﴿ و فضّلنٰهم على العالمين ﴾ کہ جان بوجھ کر تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی۔ تو یہ جان بوجھ کر فضیلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امت، کسی قوم، کسی جماعت حتی کہ کسی فرد کو جو مقام عطا کیا جاتا ہے، اس کے پیچھے کوئی وجہ ہوتی ہے۔ وجہ کیا ہوتی ہے؟ وجہ وہ جو اللہ کو پسند آتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رضامندی کی ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کے بہت نیک بندوں کی اولاد ہوتے ہیں اور نیک اولاد ہوتے ہیں، نافرمان اولاد نہیں ہوتے یا خود زبردستی نیکی والے ثابت ہوتے ہیں، اس بات سے اللہ تعالیٰ خوش ہو کر مقبولیت اور عزت عطاء فرماتا ہے، اور اس کو موقع عطاء کرتا ہے کہ وہ جماعت اور وہ امت اپنے کو اس مقام کے لائق بنائے گی جو مقام اللہ کو پسند ہے۔

اس امت محمدیہ (علىٰ صاحبها الصلاة و السلام) کو اللہ تعالیٰ نے خیر امت بنایا ہے، اور اس کی وضاحت فرمائی ہے: ﴿ كنتم خير أمة أخرجت للناس ، تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله ﴾ (سورہ بقرہ: ۱۱۰) فرمایا کہ تم بہترین امت ہو، کیسے تم بہترین امت ہو؟ وہ اس طرح کہ تم نیکی کی ہدایت کرتے ہو، نیکی کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتے ہو اور نیکی کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو، اور برائیوں سے لوگوں کو روکتے ہو اور منع کرتے ہو، اور دوسری جگہ فرمایا کہ ﴿ و كذلك جعلنٰكم أمة وسطاً لتكونوا شهداء علىٰ الناس ، و يكون الرسول عليكم شهيداً ﴾ (سورہ ۱۴۳) کہ ہم نے تم کو یہ خصوصیت دی کہ تم کو امت وسط بنایا اور اس لئے بنایا کہ تم ساری دنیا پر گواہ بنو، اور تم پر گواہی دینے والا تمہارا رسول ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں بتائیگا، جب نامۂ اعمال پیش ہوں گے، امتیں پیش ہوں گی، افراد پیش ہوں گے، اس وقت ان کی کارکردگی وہاں پیش ہوگی، اور ہر امت کی شہادت اس کا نبی دے گا، لیکن یہ امت دنیا کی ساری امتوں کی گواہی دیگی، اور اس امت کی گواہی رسول اللہ ﷺ دیں گے۔ گواہی اور شہادت دینے کا مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کس نے کیا کیا؟ کس نے اچھا کیا؟ کس نے برا کیا؟ کس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گزاری؟ کس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی نہیں گزاری؟ لیکن یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ جس کو گواہ بنایا جاتا ہے وہ پہلے خود ان اچھی خصلتوں کا حامل ہوتا ہے جن اچھی خصلتوں کے ہونے یا نہ ہونے کی اس کو گواہی دینی ہوتی ہے۔ ایک شخص نماز نہیں پڑھتا وہ نماز نہ پڑھنے والے کی گواہی کیسے دے سکتا ہے؟ پہلے تو اس گواہی سے نمٹنا پڑے گا کہ تم خود کیوں نماز نہیں پڑھتے تھے؟ تم فلاں کے متعلق کہہ رہے ہو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا، تم کب پڑھتے تھے؟ تم

کس منہ سے کہہ رہے ہو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا؟ تو گواہی تو وہی دے سکتا ہے جو خود کم از کم اس بات کا حامل ہو، اس بات پر عمل کرتا ہو، تبھی تو گواہی دے گا۔ ورنہ کیسے کہہ سکتا ہے؟ کس منہ سے کہہ سکتا ہے؟۔

تو میرے بھائیو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے یہ اہم اور عظیم مقام متعین کیا ہے، اسے اس مقام پر ہونا ہے کہ تم دوسری امتوں کی گواہی دوگے، ساری دنیا کی گواہی دوگے، ﴿ الناس ﴾ کا لفظ ہے، یعنی سارے انسانوں کی گواہی دینی ہے کہ پروردگار! ہمارے زمانہ میں فلاں فلاں قومیں حق پر عامل تھیں، احکام الٰہی کو ماننے والی تھیں، اور فلاں فلاں قوموں کی حق سے روگردانی تھی، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں نے اچھا کیا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں نے برا کیا۔ لیکن ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ امت دوسری امتوں کی اور دوسری قوموں کی کس منہ سے گواہی دیگی، وہ کیسے کہے گی کہ دوسرے لوگ دنیا میں تباہی مچا رہے تھے، اور بری خصلتوں میں مبتلا تھے، اور خراب زندگی اختیار کئے ہوئے تھے، یہ گواہی ہم کس بنیاد پر دے سکتے ہیں؟ مسلمانوں پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمہارا یہ مقام ہے، یعنی ہونا چاہئے۔ اب قیامت تک دنیا میں جو امتیں ہیں، جو قومیں ہیں، اور جو کچھ وہ کر رہی ہیں، اس کی گواہی مسلمانوں کو دینی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا، وہ شخص یا وہ افراد، وہ جماعت کہ جو خود عامل نہیں ہے، وہ کس طرح اللہ کے سامنے، کس منہ سے یہ کہہ سکے گی کہ فلاں عمل نہیں کرتا تھا، اور فلاں صحیح کام نہیں کرتا تھا؟۔ ہم اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر دوسروں پر خوب تبصرہ کرتے ہیں، دوسری قوموں پر تبصرہ کرتے ہیں، لیکن اپنی مجلسوں میں کرتے ہیں جہاں کوئی ٹوکنے والا نہیں، اور کوئی ٹوک سکتا نہیں، ٹوکے تو لڑائی ہو جائے، لیکن ہم خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ہم دوسری قوموں پر جو اعتراضات کرتے ہیں کیا وہ اعتراضات ہم پر نہیں کئے جاسکتے؟ کیا وہ نقائص ہم میں نہیں ہیں؟ جب وہ نقائص ہم میں پائے جاتے ہیں تو ہم کس طرح ان پر اعتراضات کر سکتے ہیں؟ اپنی مجلسوں میں تو ہم خوب تنقید کر سکتے ہیں، خوب اعتراضات کر سکتے ہیں، لیکن جب قیامت میں اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تم نے اس ذمہ داری کا کیا کیا، بتاؤ، اس وقت اس امت کے پاس کیا جواب ہوگا؟۔

اس امت کے لئے بڑی اہم بات اور بڑی احساس ذمہ داری کی بات ہے کہ اس کو دو نہایت بلند مقام عطا کئے گئے ہیں، ایک امت وسط کا اور دوسرا شاہد کا۔ امت وسط یعنی خیر امت جو سارے معاملات میں صحیح اور معتدل راستہ پر چلنے والی اور معیاری امت ہے، اور دوسرے یہ کہ گواہ اور شاہد امت۔ فرمایا ﴿ لتكونوا شهداء على الناس ﴾، اس امت کو یہ عظیم مقام اس لئے دیا گیا تا کہ وہ گواہی دینے کی ذمہ داری سنبھال سکے۔ جب ہم معتدل اور معیاری راستہ پر چلیں گے، تبھی ہم دوسرے کی گواہی دینے کے لائق قرار پائیں گے، اللہ تعالیٰ نے یہ مقام اس امت کو عطا فرمایا تا کہ قیامت کے روز گواہی دینے کا یہ فریضہ انجام دے سکے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کو گواہ بنایا جارہا ہو اس کے لئے کتنے اعزاز کی بات ہے، ایک طرف مجرمین پکڑے جارہے ہیں، دوسری طرف ان کے لئے گواہ لائے جارہے ہیں، گواہوں اور مجرموں میں زمین آسمان کا فرق ہے، گواہ کا کیا اعزاز اور کیا مقام ہے اور مجرم کا کیا مقام ہے؟ یہ سب جانتے ہیں، لیکن یہ تب ہے جب اس معیار کو قائم کیا جائے جو اس کے لئے مطلوب ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بنی اسرائیل کو اللہ نے سارے لوگوں پر فضیلت دی تھی اور یہ فرمایا کہ حقیقت اور واقعیت کو جانتے ہوئے یہ فضیلت دی تھی، جس وقت اللہ نے ان کو یہ فضیلت دی اس وقت وہ نہایت معیاری امت تھی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے اور ان کے راستہ پر تھے۔ اور ان میں وہ صفات تھیں جن صفات پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اعزاز عطا فرمایا تھا، لیکن جب انہوں نے اس اعزاز کا خیال نہیں رکھا اور اس مقام کا خیال نہیں رکھا جس کی بنیاد پر انہیں فضیلت دی گئی، اور وہ معصیتیں کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ اپنے انبیاء تک کو شہید کیا، اور دین پر عمل کرنے والوں کے ساتھ استہزاء کیا، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اور اس کی نشانیوں کو بگاڑ کر پیش کیا، توریت کے احکام کو بدل دیا، چھپا دیا، اور دین کو دنیاوی فوائد کے لئے فروخت کرنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کو موقع دیا کہ اب سنبھل جاؤ، اب سدھر جاؤ، لیکن جب انہوں نے کسی طرح مان کر نہیں دیا تو پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر چیز سے محروم کردیا، عزت سے محروم کردیا، اس عزت سے بھی جو انسانوں کے لئے اللہ نے رکھی ہے، جو کافر کو بھی ملتی ہے اور مسلم کو بھی ملتی ہے، ان کو کافروں والی عزت سے بھی محروم کردیا اور فرمایا کہ ان کے لئے ذلت اور رسوائی ہے، ﴿ وضربت عليهم الذلة و المسكنة ﴾ (سورہ بقرہ: ۶۱)، اور اگر آپ تحقیق کریں اور معلومات کریں تو بات ایسی ہی ہے، بنی اسرائیل آج بھی رسوا اور ذلیل و خوار ہیں، ڈنڈے کے زور سے کوئی بھی غنڈہ بڑا بن سکتا ہے، لیکن اس کو سب جانتے ہیں، اور دلوں میں اس کی جو حیثیت ہوتی ہے وہ بھی معلوم ہوتی ہے، طاقت کے زور سے یا اپنے مکر و فریب سے کسی کو دبا لیا جائے وہ الگ بات ہے، لیکن انسان کی عزت جو دلوں میں ہوتی ہے، اور اس کا احترام جو دلوں میں ہوتا ہے وہ اصل چیز ہے، اس وقت دنیا میں یہودیوں کی کوئی عزت نہیں ہے، ان کے دوستوں کے دلوں میں بھی ان کی عزت نہیں ہے، دشمنوں کے دلوں میں تو کیا ہوگی، لیکن لوگوں کے مصالح، ان کے فوائد اور ان کے بہت سے مسائل ان سے وابستہ ہیں اس لئے ظاہری طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ان کو ایک طاقت حاصل ہے، لیکن کوئی عزت ان کی نہیں ہے، اور ہو بھی کیسے سکتی ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لئے ذلت لکھدی ہے۔

یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب پر فضیلت دی تھی اور جان بوجھ کر فضیلت

دی تھی ان کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں رسوا بھی کردیا، اور دنیا کو یہ دکھا دیا اور قرآن شریف کے ذریعہ سب کو بتا دیا کہ اگر باپ دادا اچھے عمل کرنے والے ہیں تو یہ کافی نہیں ہے، بلکہ انسان کو خود بھی عمل کرنا ہوگا، صرف یہ نسبت کافی نہیں ہے کہ ہم فلاں نبی کے ماننے والے ہیں، ہمارے باپ دادا ایسے تھے، ویسے تھے، پدرم سلطان بود، اس سے پورا کام نہیں چلتا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا ہو؟ تم اس معیار کو قائم رکھے ہوئے ہو یا نہیں جو معیار تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا؟، وہ یہ کہ تمہیں دوسروں کی رہنمائی کرنی ہے، دوسروں کو راہ حق پر لانے کی کوشش کرنی ہے، اور دوسروں کو غلط راستہ سے بچانے اور روکنے کی کوشش کرنی ہے، لیکن اس صورت میں کہ تم خود اس لائق بنو کہ دوسروں کو غلط راہ سے روکو، تم خود صحیح راستہ پر چلو، حق کی طرف تم دعوت دوگے تو پہلے تم خود اپنے کو حق پر قائم کرو، تب تم دوسروں کو حق کی دعوت دے سکتے ہو، تو اس امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو فریضہ عطا فرمایا ہے وہ فریضہ یہ ہے کہ اس کو دوسروں کی رہنمائی کرنی ہے، دوسروں کو حق کی طرف لانا ہے، اور لوگوں کو متوجہ کرنا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے یہ اخلاق متعین کئے ہیں، تمہارے لئے یہ زندگی متعین کی ہے، یعنی تمہیں امت ہدایت بننا ہے، اور اس کے بعد پھر نظر رکھنی ہے ساری قوموں پر، ساری ملتوں پر۔ جب دوسروں کو دعوت دی جائے گی، دوسروں میں گھس کر کام کیا جائے گا، دوسروں تک بات پہونچائی جائے گی تو ہم دوسروں کا حال بھی جان لیں گے کہ وہ کیسے ہیں؟ حق کی دعوت کو انہوں نے قبول کیا کہ نہیں قبول کیا؟ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو کس نظر سے دیکھا؟ اور کس طرح ان کے ساتھ معاملہ کیا؟ اس سے ہم واقف ہوجائیں گے، ساری دنیا ہمارے سامنے واضح ہوجائے گی، اب ہم ہر امت کو پہچان جائیں گے کہ اس کا کیا حال ہے؟ اور وہ اپنے پروردگار کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کے لئے تیار ہے یا تیار نہیں ہے؟ ہم یہ کہہ سکیں گے کہ پروردگار! ہم نے آپ کا پیغام ان تک پہونچایا تھا لیکن انہوں نے نہیں مانا، بنی ان سنی ایک کردی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے متعلق عظمت وعزت، پھر نالائقی اور ذلت کا واقعہ سنا کر یہ بتادیا کہ تم کو عزت عطاء کررہے ہیں، لیکن وہ کیسے اور کس طرح؟ اور تم سے پہلے جو امت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے پسند کیا تھا اور معزز مقام عطا فرمایا تھا اس کا حال یہ ہوا کہ پھر پروردگار کو ناراض کردینے پر پروردگار نے اسے راندۂ درگاہ بھی کردیا۔ کیوں کیا؟ اس لئے کہ وہ اپنے راستہ سے ہٹ گئے، اور انہوں نے اپنے فریضہ کو انجام دینا چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں آگے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کیا۔

جب ہم اس امت کی اور مسلمانوں کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو یہ دونوں باتیں ملتی ہیں، چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اس کو خیر امت بنایا ہے، اس لئے پوری امت فنا ہونے سے محفوظ ہے، حضور ﷺ نے دعاء فرمائی تھی، اللہ نے دعاء قبول فرمائی، آپ ﷺ نے یہ دعاء فرمائی تھی کہ یہ امت ہر حال میں اچھی رہے، تو یہ تو نہیں قبول ہوئی، البتہ یہ دعاء قبول ہوئی کہ پوری کی پوری امت مصیبت میں مبتلا نہیں ہوگی، تباہ نہیں ہوگی، امت تو قیامت تک رہے گی، کیونکہ کچھ لوگ، کوئی نہ کوئی گروہ، کوئی نہ کوئی طبقہ، حق کے راستہ پر قائم رہے گا، لیکن جو حق کے راستہ پر قائم نہیں رہے گا اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو اس سے پہلے کی امتوں کے ساتھ پیش آیا، اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی تفصیل سے ہے، اور ہمیں تاریخ میں بھی اس کی واضح مثالیں ملتی ہیں۔

آپ تاریخ کا مطالعہ کریں، اندلس کا واقعہ آپ کے سامنے ہے، بغداد کی تباہی کا واقعہ آپ کے سامنے ہے، آپ بہت آگے نہ جائیے، صرف ہندوستان کی غلامی کا جو واقعہ ہے اس کو دیکھئے کہ یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی، پورا ہندوستان ان کے پاس تھا، لیکن کس طرح ان سے مغربی طاقتوں نے یہ ملک چھینا، اور ان سے لے لیا، اس کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ ہم سیاسی حالات پر نظر ڈال کر اس کے اسباب تلاش کرتے ہیں، لیکن اس کے جو معنوی اسباب ہیں ہمیں ان کو بھی دیکھنا چاہئے، جس وقت انگریز اس ملک میں آکر قابض ہوئے ہیں اس وقت یہاں کے مسلمانوں کی حالت انتہائی خراب تھی، کوئی بھی خرابی اور جرم ایسا نہیں تھا جو مسلمانوں میں نہ پایا جاتا ہو، ان کی سوسائٹی بہت کرپٹ ہوچکی تھی، ان کے حالات انتہائی ناپسندیدہ ہوچکے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے میں تازیانہ ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریروں کو دیکھئے جن میں انہوں نے مسلمانوں کی سوسائٹی کا نقشہ کھینچا ہے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس وقت مسلمانوں کی سوسائٹی کتنی خراب ہوچکی تھی، نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ملک کی قیادت ان سے چھین کر غیروں کو دیدی، باہر سے آنے والوں کو دیدی، اسی طرح کی بات بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آئی کہ جب جب ان کی نافرمانیاں بڑھیں تب تب ملک ان سے چھینا گیا اور دوسری قوموں کے ذریعہ ان کو سزا دی گئی، اور ان کو بیت المقدس سے اس طرح نکالا اور تباہ کیا گیا جیسے ناپسندیدہ جانوروں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی سے ملتا جلتا واقعہ ہندوستان میں پیش آیا، اللہ تعالیٰ نے یہ ملک مسلمانوں کو دیا تھا، اس ملک کو انہوں نے صحیح استعمال نہیں کیا، اور جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے بالکل خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ملک چھین لیا، اللہ تعالیٰ کی کسی سے رشتہ داری نہیں ہے، قرابت داری نہیں ہے کہ ہر حال میں رعایت کی جائے۔ جس سے رشتہ داری ہوتی ہے اس کا لحاظ کیا جاتا ہے کہ بیٹا بیٹا ہے چاہے لائق ہو یا نالائق ہو، اللہ تعالیٰ کی کسی سے ایسی کوئی قرابت داری نہیں ہے، اللہ نے صاف فرمادیا کہ تم صحیح کام کروگے تو اللہ تعالیٰ تم کو نوازے گا، اور غلط راستہ پر چلوگے تو اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے گا۔ یہاں رعایت نہیں ہے، تو ہمیں اس حیثیت سے اپنا جائزہ لینا چاہئے، اپنی سوسائٹی کا بھی جائزہ لینا چاہئے، اور اپنا

ذاتی جائزہ بھی لینا چاہئے، کیونکہ قوم دو طرح کے اعمال سے بنتی ہے۔ ایک انفرادی اعمال سے اور دوسرے اجتماعی وسماجی اعمال سے۔ ایک یہ کہ ہم اندر سے خود کیا ہیں؟ اللہ کا ہمارے اندر کتنا خوف ہے؟ ہم اللہ کے حکموں پر کتنا عمل کرتے ہیں؟ فرائض کو ہم کتنا انجام دیتے ہیں؟ ہم میں تقویٰ کتنا ہے؟ ہم اپنی انفرادی عبادت کتنی انجام دیتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق کتنا ہے؟ یہ سب انفرادی باتیں ہیں۔

اور دوسری اجتماعی باتیں ہیں، وہ یہ کہ ہمیں آپس کی زندگی میں اجتماعی کاموں میں جو حسن وخوبی اور اپنے پروردگار کے احکام کی بجا آوری جو انجام دینی چاہئے، وہ ہم کتنا انجام دیتے ہیں؟ یعنی حق کی طرف رہنمائی کرنا، دین پر صحیح طور پر عمل کی دعوت دینا، اور لوگوں کو درست کرنے کی کوشش کرنا، اور یہ کہ ہماری سوسائٹی اور ہمارا معاشرہ بھی معیاری معاشرہ ہو، اس میں اچھا ماحول بنے، اچھی عادتیں اختیار کی جائیں، اور ایک دوسرے کی اصلاح کی اور ایک دوسرے کو غلط راستہ سے بچانے کی فکر ہو۔ اور یہ کام مقامی سطح پر بھی اور عالمی پیمانہ پر کرنا ہے، یہ وہ عظیم کام ہے جس کے کرنے پر اس امت کو سارے انسانوں پر فوقیت دی گئی ہے، سارے انسانوں کے ساتھ اس کو اسی طرح کی خیر خواہی اور خیر پسندی کا رویہ اختیار کرنا پڑے گا، اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے تو آدمی اپنی ذات سے شروع کرے، پھر اپنے ماحول اور اپنی سوسائٹی سے شروع کرے، اور پھر پوری دنیا میں اپنے کام کو پھیلائے، اور چونکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ یہ امت پوری کی پوری ہلاک نہیں ہوگی، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ اس معیار کو امت کے کچھ نہ کچھ افراد بحال کئے ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے امت ٹھہری ہوئی ہے، اگر کبھی اس راستہ سے ہٹ جائیں، جیسے بنی اسرائیل کی اکثریت اس راستہ سے ہٹ گئی تھی تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہوتی ہے۔

بغداد کی تباہی کا واقعہ معمولی واقعہ نہیں ہے، ایک مثال میں آپ کو دیتا ہوں، میں نے مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس وقت بغداد میں رسم ورواج، اسراف اور من مانی زندگی عام ہوگئی تھی۔ اس کی ایک بات بطور مثال کے یہ ہے وہ عید اور بقرعید کی نماز پڑھنے جاتے تو ایک جلوس کی شکل میں جاتے، جو بڑا زبردست ہوتا، اس میں خلیفہ اور بادشاہ ہوتے، حکومت کے آفیسرس ہوتے، فوج کے سارے لوگ اسلحہ کے مظاہرہ کے ساتھ ہوتے، اور اس کے جواز میں ان کا کہنا یہ تھا کہ چونکہ دوسری قوموں کے افراد اور کفار ومشرکین بھی ہیں اس لئے ہم انہیں شوکت اسلام دکھانا چاہتے ہیں، کہ دیکھو یہاں مسلمانوں کی حکومت کتنی مضبوط ہے، مسلمان کتنے پُر شوکت وعظمت ہیں؟ اس کے لئے سارے اسلحے اور لاؤ لشکر سمیت جیسے کہ ہمارے ملک میں یوم جمہوریہ منایا جاتا ہے اس طرح ہوتا تھا، عید وبقرعید کے موقع پر جلوس نکلتا تھا، اس میں شہر کے اور ارکان سلطنت کے بڑے اور اہم لوگ اور عوام سب شریک ہوتے تھے، ایک بڑا مجمع ہوتا تھا، اور یہ شان وشوکت چلتی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب اتنا بڑا جلوس چلے گا اور اس قدر شان وشوکت کا مظاہرہ ہوگا، تو لکھا ہے کہ بعض مرتبہ عید گاہ تک پہونچتے پہونچتے مغرب ہوگئی اور عید کی نماز مغرب کے بعد ہوئی، بیچ کی نمازوں کا کیا ہوا ہوگا؟ کیسے ادا ہوسکی ہوں گی؟ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ شان وشوکت، دکھاوے اور رسمیات میں بتدریج اس حال تک پہونچ گئے تھے، اور اسراف اور دنیاداری آہستہ آہستہ بڑھ گئی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی، بنی اسرائیل کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اور یہی مسلمانوں کے ساتھ بھی ہوا۔

اس حال میں کافر تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا ہے، اور تین روز تک لوگوں کو اس طرح قتل کیا کہ دجلہ کا پانی خون سے سرخ ہوگیا، اور کتب خانوں کو اس طرح جلایا اور دریا میں پھینکا کہ ان کی روشنائی سے دریا کا پانی کالا ہوگیا، اور لاکھوں آدمیوں کو ذبح کرکے رکھ دیا اور حکومت ختم ہوگئی۔ یہ کس کے ساتھ ہوا؟ مسلمانوں کے ساتھ ہوا، جو خیر امت ہیں، تو خیر امت ہونا کوئی تمغہ اور انعام نہیں ہے، یہ ذمہ داری ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ ہے کہ جب ذمہ داری نبھاؤگے تو انعام پاؤگے، اور نہیں نبھاؤگے تو بھگتوگے، یہ کام نہیں آئے گا کہ ہم حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں، اور یہ کہ ہم خیر امت ہیں، یہ کام نہیں آئے گا، بلکہ اپنے کو ثابت کرنا ہوگا، اپنی سیرت ایسی بنانی ہوگی، ورنہ تباہی آئے گی، خواہ کافروں کے ہاتھوں سے آئے۔ اور ہم جب تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے واقعات جگہ جگہ پیش آئے کہ جب مسلمانوں نے اپنا معاشرہ خراب کرلیا، اور ان میں برائیاں عام ہوگئیں، اللہ کا خوف ختم ہوگیا، شریعت کی پابندی ختم ہوگئی، تو اللہ نے کسی کو کھڑا کردیا، اس نے پٹائی کی، اور ایسی پٹائی کی کہ دیکھ کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ بھیجا ہوا دین قیامت تک باقی رہے گا، اور اس کی امت باقی رہے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں قاتل وکافر تاتاریوں کو اسلام اختیار کرنے کی توفیق دیدی، اور ایسا مسلمان بنادیا کہ پھر اس امت کی قیادت ان ہی کے ہاتھ میں آگئی، یہ عثمانی خلافت کیا ہے؟ یہی تاتاری لوگ تھے۔ اس نے صدیوں اسلام کی قوت وعظمت کا مظاہرہ کیا، ان کے سامنے کافر یورپ تھا، انہوں نے یورپ کو ایسا دبایا جیسے کسی کمزور دشمن کو دبایا جاتا ہے، ترکی کی اسلامی طاقت کے اثرات پورے یورپ پر پڑے تھے، یورپ ان کے سامنے لرزتا تھا۔ اور یہ حال تھا کہ بعض مرتبہ ترکی شہزادہ کسی یورپ کے ملک میں چلا جاتا تھا تو وہاں یہ آرڈر ہوجاتا تھا کہ آج گرجوں کی گھنٹیاں نہ بجیں، اس لئے کہ ترکی شہزادہ آج شہر میں آیا ہوا ہے، اس کو تکلیف ہوگی، یہ یورپ کا حال تھا، یہی یورپ جس کا آج دنیا میں غلغلہ ہے، یہ ترک کون لوگ ہیں؟ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے جب کہ کافر تھے لیکن مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے اور اپنی ذمہ داری انجام دینے میں کوتاہی زیادہ ہوگئی تھی تو

بغداد میں مسلمانوں کو اس طرح ذبح کیا تھا کہ تاریخ کا دردناک واقعہ بن گیا، اس امت کو ذلیل کرکے رکھ دیا تھا، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان ہی کو مسلمان بنادیا، اور مسلمانوں کی قیادت انہی کو دیدی، اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے، اور انہوں نے پھر صدیوں تک اسلام کی عظمت قائم رکھی، دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور وہی تھے، اور اپنی اسلامیت کے ساتھ تھے۔

ترکی خلیفہ کے پاس یہودی نمائندہ گیا، اور اس نے کہا کہ آپ کا جو قرض ہے (ترکی خلافت آخر میں بہت مقروض ہوگئی تھی، اور اسی قرض کی وجہ سے اس کو ختم ہونا پڑا) ہم آپ کا سارا قرض ادا کردیں گے، بس آپ ہم کو فلسطین (بیت المقدس) میں جگہ دیدیں، ترکی خلیفہ کے ایمان کی بات ہے کہ یہ سنتے ہی ان کو دینی غیرت اتنی ہوئی کہ غصہ آگیا، کہا کہ بیت المقدس تم کو دیدیں؟ کہا اس کتے کو یہاں کون لایا ہے؟ نکالو اس کتے کو یہاں سے۔ اس کو وہاں سے نکلوادیا، کہا کہ ہم فلسطین کی زمین کا ایک انچ بھی نہیں چھوڑ سکتے، یہ ہماری عزت اور دین کی علامت ہے، یہ تھی ایمان کی بات۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اسلامیت پر ہی ان کی مدد کی، صدیوں وہ دنیا پر غالب رہے اور سب سے زیادہ طاقتور رہے، لیکن سب اعمال پر ہوتا ہے، زندگی کو اللہ کی رضا کے مطابق بنانے سے ہوتا ہے، اب ان کی وہ حالت نہیں، اور اب ان کی وہ حقیقت بھی نہیں۔ آج ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں تو کتنی خرابیاں ہیں جو ہم میں عام ہیں؟ اور ان کو درست کرنے کی کوئی فکر نہیں کرتا، ہمیں اپنے کو بھی درست کرنا ہے اور پھر اپنی سوسائٹی کو بھی درست کرنا ہے، تنہا اپنے کو درست کرنا کافی نہیں ہے، پہلے تو آدمی اپنے کو درست کرے، پھر سوسائٹی کو درست کرے، پھر آگے بڑھے اور دوسروں کی سوسائٹیوں کو درست کرنے کی فکر کرے، کم سے کم پیغام پہونچادے، اپنا فرض انجام دیدے، اپنی ذمہ داری پوری کردے، اگر اس سے کسی کو ہدایت نہیں ملتی اور اللہ کے یہاں اس کی ہدایت نہیں لکھی تو ہم صرف کوشش کرسکتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کہا کہ تم ہدایت نہیں دے سکتے، ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، فرمایا ﴿إنك لا تهدي من أحببت، و لكن الله يهدي من يشاء﴾ (سورہ القصص:۵۶) تمہارا کام صرف پیغام پہونچانا ہے، اور تمہیں حق کی بات کا پہونچانا ہے، یہی کام مسلمان کے سپرد کیا گیا کہ اپنے کو درست کرے، اپنی سوسائٹی کو درست کرے، پھر دوسروں کی سوسائٹی تک اللہ کا پیغام پہونچائے، دوسروں کو درست کرنے کی کوشش کرے تو اللہ کا وعدہ نصرت کا ہے، اور بلند مقام عطا کرنے کا ہے، تاریخ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، جب مسلمانوں نے اس پر عمل کیا تو اللہ نے ان کو بلندی عطا فرمائی، عظمت عطا فرمائی، اس کی ایک مثال نہیں متعدد مثالیں ہیں، یہ اصول قیامت تک چلے گا، جس کو بھی باعزت بننا ہے، عزت حاصل کرنی ہے، اور جس کو بھی مقام حاصل کرنا ہے، اس کو اس پر عمل کرنا ہوگا، جو اللہ نے اس کو اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ سے طریقہ بتایا ہے، اور جو اس میں کوتاہی کرے گا تو ظاہر ہے کہ کڑوا پھل کڑوا مزہ دے گا، میٹھا پھل میٹھا مزہ دے گا، اور پھر وہ حالات پیش آتے ہیں جن حالات میں آدمی کو افسوس ہوتا ہے۔

اس وقت جو بھی دین کی خدمت ہورہی ہے، جو بھی کام ایسا ہورہا ہے جو اللہ کو پسند ہے، یہ اس کی برکت ہے کہ امت ٹھہری ہوئی ہے، اور اس امت کو مصائب اس طرح نہیں پیش آرہے ہیں جس طرح پیش آنے کا خطرہ ہوسکتا ہے، لیکن جہاں غفلت ہوگی اور جہاں حالات زیادہ خراب ہوں گے وہاں پھر وہ حالات بھی خراب ہوجائیں گے جو دنیاوی حالات کہلاتے ہیں، دنیاوی حالات دینی حالات کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، دینی حالات جب درست ہوتے ہیں تو دنیوی حالات بھی درست ہوتے ہیں، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر درخت کی جڑیں صحیح ہیں تو درخت پھولے گا، پھلے گا، اور اس میں اچھا پھل آئے گا، اور اگر جڑوں میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے تو اوپر پھل بھی خراب ہوگا، ہم صرف اوپر کو دیکھتے ہیں، نیچے کو نہیں دیکھتے، ہم باہر کو دیکھتے ہیں، اندر کو نہیں دیکھتے، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم کو عزت حاصل نہیں، ہم کو وہ حیثیت حاصل نہیں، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے اعمال کیسے ہیں؟ ہماری سیرت کیسی ہے؟ ہمارے اخلاق کیسے ہیں؟ ہمارا معاشرہ کیسا ہے؟ ہم میں کتنی وہ خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے صرف خلاف ہی نہیں ہیں، بلکہ اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں۔

اس وقت جو صورت حال مسلمانوں کی ہے اس کو بہتر بنانے کے لئے، اور اپنے تحفظ کے لئے ہم کو دین کے تحفظ کی فکر کرنی ہے، ہم جتنا دین کا اور ان تعلیمات کا تحفظ کریں گے جو ہم کو دی گئی ہیں اتنا ہی اس دنیا میں بھی ہمارا تحفظ ہوگا، اور ہم کو وہ عزت حاصل ہوگی جس عزت کے ہم طالب ہیں، اور یہ صرف وعظ نہیں ہے بلکہ ایک جائزہ ہے، مسلمانوں کی تاریخ کا اور بنی اسرائیل کی تاریخ کا۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں بھی ذکر کی گئی ہیں، اس جائزہ سے ہم کو فائدہ اٹھانا چاہئے، ہم کو یہ چاہئے کہ ہم اپنی سوسائٹی کو درست کریں، اپنے اخلاق کو درست کریں، اور اس راستہ کو زیادہ سے زیادہ اختیار کرنے کی کوشش کریں جس راستہ سے ایک مسلمان کو عزت حاصل ہوتی ہے، اور مقام حاصل ہوتا ہے، ہم کافروں کو دیکھتے ہیں، دوسری قوموں کو دیکھتے ہیں کہ ان کو یہ اعزاز حاصل ہے تو بعض وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم تو اسلام پر عمل کرنے والے ہیں، ہم اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والے ہیں، ہم کو یہ مقام، یہ عزت حاصل نہیں۔ اور کافروں کو حاصل ہے، تو بھائی کافروں کو جو حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق صاف صاف یہ کہا ہے کہ اس کی اہمیت نہ سمجھو کہ فلاں کافروں کو عزت وشوکت حاصل ہے، ان کو دولت حاصل ہے، یہ صرف ان کی اسی دنیا کا فائدہ ہے، یہ صرف اسی حد تک ہے، جب تک ان کو موت نہیں آتی تب تک یہ فائدہ اٹھانے والے ہیں، ان میں

بقیہ صفحہ ۹ پر

حفاظت اسلام اور فرائض علماء

ندوۃ العلماء کے ۱۹ویں اجلاس میں علامہ عبدالعزیز ثعالبی تیونسی کی ایک تقریر

--------------- مولانا شمس الحق ندوی

[ندوۃ العلماء کے انیسویں اجلاس لکھنؤ میں علامہ عبدالعزیز ثعالبی تیونسی بھی تشریف فرما تھے، علامہ موصوف تیونس کی تحریک آزادی کے رہنما ہونے کے ساتھ عربی کے بڑے فاضل اور ادیب بھی تھے عرصہ تک بغداد میں تاریخ اسلام کے پروفیسر رہے علامہ رشید رضا کے بعد یہ دوسرے عرب فاضل اور رہنما تھے جنہوں نے ندوۃ العلماء کے اجلاس کو رونق بخشی اور عنوان بالا پر ذمہ داران اجلاس کی گذارش پر اپنی عربی زبان میں فکر انگیز تقریر فرمائی جس کا مطلب وخلاصہ ندوہ کے مایۂ ناز فاضل مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ادیب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اردو زبان میں بیان فرمائی۔]

".....حضرات محترم ارکان ندوۃ العلماء! مجھے نہایت مسرت ہے کہ میں اس عظیم الشان اصلاحی انجمن میں شریک ہوا، میں آپ کی انجمن سے اس وقت سے واقفیت رکھتا ہوں، جب سے کہ مولانا سید سلیمان صاحب سے پیرس میں ملاقات ہوئی تھی، میں اس سے پیشتر بھی ایک بار ہندوستان آیا تھا، مگر اس وقت میرا قیام یہاں بہت مختصر رہا، اس مرتبہ مجھے ہندوستان آئے ہوئے تین ماہ گذر گئے، میں یہاں اکابر سے ملا، مفکرین سے میری ملاقاتیں ہوئیں، لیکن مجھے ہندوستانی مسلمانوں کی بہبودی کا مضبوط کام کوئی نظر نہ آیا، مجھے ہندوستانی علماء نے اپنی تصنیفیں عنایت فرمائی ہیں، لیکن مجھے بڑا رنج تھا کہ جب میں نے ان کتابوں کے مضامین اور عنوانات سے یک گونہ واقفیت حاصل کی تو یہ سب آپس کے جھگڑوں کی تھیں اور ان میں زیادہ تر فروعی مسائل پر نہایت درجہ بحثیں کی گئی تھیں، میرے اس رنج کو اس امر سے اور زیادہ تقویت پہونچی کہ میں مشہور شہر بنارس میں تھا، وہاں مسلمانوں کے دو فرقوں میں تقلید وعدم تقلید ائمہ کے مسئلہ پر سخت اختلاف تھا تا آنکہ میں اعظم گڈھ پہونچا۔ (یعنی دارالمصنفین)

میرے محترم دوست مولانا سید سلیمان صاحب ندوی وہاں موجود نہ تھے، میں نے وہاں کئی روز ٹھہر کر اس لٹریچر کی نوعیت سے واقفیت حاصل کی جو وہاں سے شائع ہورہا ہے، تب میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بے شبہ قومی تعمیر کے لئے جس قسم کی تصانیف اور دماغی تربیت کی ضرورت ہے، مسلمانان ہندوستان اس سے غافل نہیں، شاہ ولی اللہؒ اور نواب صدیق حسن خاںؒ کی تصانیف کے بعد ہندوستان کے لئے یہ تصنیفات قابل فخر ہیں اور خوشی کی بات ہے کہ یہ تمام کام آپ کی مشہور انجمن ندوۃ العلماء کے اشخاص انجام دے رہے ہیں۔

حضرات! عالم اسلامی میں ہندوستانی مسلمانوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے، آپ اگر اپنی تنظیم کرلیں تو تمام عالم اسلامی کی بہبودی اور ترقی کا مرکز آپ بن سکتے ہیں، اور پھر آپ اپنی طاقت سے ایک بار دنیا کا نقشہ پلٹ سکتے ہیں۔

حضرات علماء! آپ کے فرائض دو قسم کے ہیں، انفرادی اور اجتماعی، انفرادی کے متعلق میں اس وقت کچھ نہ عرض کروں گا، اجتماعی حیثیت سے میری گذارش ہے کہ مسلمانوں کے سود وزیاں کا انحصار آپ پر ہے۔

قرون اولیٰ میں علماء اور غیر علماء کی کوئی تفریق نظر میں نہیں آتی سارا کام ایک ہی جماعت کرتی تھی، رفتہ رفتہ علحدگی پیدا ہوگئی اور اس علحدگی نے پراگندگی پیدا کردی۔

عالم اب بھی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو علوم دینیہ میں سے کسی ایک شاخ کا ماہر ہو، یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم علم کے شمار میں علم کیمیا کو طبیعات کو اور دیگر ارتقائی علموں کو نہیں شامل کرتے ہیں، میں آپ سے کہوں گا کہ آپ اپنے علم کے دائرے کو وسیع کیجئے اور صرف تشقیقات اور فرضی احتمالات کے علم سے الگ ہوکر مشاہدہ اور عملیات کے میدان میں آیئے، دوسری بات جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ سیر وسیاحت ہے۔

سیر وسیاحت سے ہم قوموں کے حالات معلوم کرسکتے ہیں، ہمیں اپنی کمزوریاں اور کوتاہیاں معلوم ہوں گی، ہمارا دماغ کھلے گا اور ہم مان لیں گے کہ دنیا میں قوموں کے گھٹنے بڑھنے کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، نہایت افسوس کی بات ہے کہ سلف صالحین کے طرز کے خلاف علماء نے سیر وسیاحت کو چھوڑ رکھا ہے، آپ کے لئے تو عالم اسلامی میں رشتۂ اخوت نے کتنی آسانیاں پیدا کردی ہیں، ایک مسلمان مراکش کے آخری کونہ سے چین سے اس پار تک کا سفر بغیر زادراہ اور توشہ کے کرسکتا ہے، آپ مسیحی علماء اور اہل کمال کو دیکھئے کہ وہ ایسی قوموں میں جو نسل میں، دین میں، رسم ورواج میں ان سے غیر ہیں، عمریں بسر کردیتے ہیں۔

ایک مستشرق نے اپنے چالیس سال، صرف یمن کے کتبوں کو پڑھنے میں صرف کئے بعض لوگ وسط افریقہ میں رہتے ہیں اور اپنا کام پورا کرتے ہیں۔

حضرات علماء! آپ کو ان سے سبق لینا چاہئے اور سیر وسیاحت میں سرگرم ہوجانا چاہئے، میں اس پر زیادہ زور دیتا ہوں اس لئے کہ تبدیلی پیدا کرنے کے لئے اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے۔"

یہ تقریر تقریباً اسی سال قبل کی گئی تھی اس

بقیہ صفحہ ۳۱ پر

دعوت وتبلیغ

دعوت حق اور صحیح رہنمائی

(ایک بڑا انسانی حق اور فریضہ)

از: محمود حسن حسنی ندوی

انسان کا انسان پر صرف یہی حق نہیں ہے کہ اس کو انسانی برادری کا ایک فرد سمجھ کر عدل ومساوات، مواسات خیر خواہی، راحت رسانی، اخلاقی مدد مالی تعاون، اصلاح معیشت، عزت وتوقیر کا معاملہ کیا جائے اور وہ جس معاشرہ میں رہ رہا ہو اس کی اصلاح اور معاشرہ کی خرابیوں کے ازالہ اور دبے کچلے لوگوں سے احساس کمتری کو دور کرنے اور احساس برتری کو نارمل کرنے کہ اکثر ظلم وجور اسی احساس کے نتیجہ میں سامنے آتا ہے کی فکر کی جائے، اور یہ کہ پردہ دری کی جائے، اتہام، دروغ بیانی، دھوکہ دہی فریب، خیانت، کام چوری، رشوت، توہین وتذلیل اور بے ثبوت وبے تحقیق باتیں کہنے سے باز رہا جائے کہ ان سے انسانی حقوق پر بڑی ضرب پڑتی ہے، بلا تحقیق بات ماننا اور اس کو عام کرنا اور اس سے دوسرے کی عزت سے کھیلنا گھناؤنا فعل ہے، شریعت نے اس سے روکا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوا﴾

''مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔''

اور حدیث شریف میں ہے:

''کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ''

''انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو کچھ اس کے کان میں پڑے وہ اس کا چرچا کرنا شروع کر دے۔''

اور صرف یہی حق نہیں ہے کہ وہ مہمان کی صورت میں آئے تو اس کی خاطر تواضع کر لی جائے جب کہ مہمان کی خاطر تواضع کی اسلام میں بڑی تاکید آئی ہے، اور میزبانی کو مہمان کا حق بتایا گیا ہے، اور یہ کہ پڑوسی ہے تو اس کو راحت پہونچائے اور اس کو اذیت وتکلیف نہ پہونچنے دے، اور اس کا ہر طرح سے خیال رکھے، جس پر اسلامی تعلیمات میں بڑا زور دیا گیا ہے، یتیم اور مسکین ہے تو اس کی کفالت کرے، مسافر ہے یا لاوارث ہے تو اس کی نگہداشت کرے، شفقت ورحمت سے پیش آئے کہ جو اہل زمین پر مہربانی کرتا ہے اس پر عرش بریں سے مہربانی کی جاتی ہے، اور یہ کی بھوکے کو کھانا کھلائے، پیاسے کو پانی پلائے، ننگے کو کپڑا پہنائے، جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو اس کی خبر گیری کرے، اپنے پاس زائد سامان ہو تو اس کو دے دے جس کے پاس ضروری سامان نہیں ہے، کمزوروں کو طاقت پہونچائے، معذوروں کے کام آئے، بوڑھوں کو عزت دے، چھوٹوں پر شفقت کرے، سچ بولے جھوٹا نہ بنے، امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے، غیبت نہ کرے، چغلی نہ کھائے، دوسرے کو نقصان نہ پہونچائے، فائدہ پہونچانے والا بنے، زخم خوردہ پر مرہم رکھے، تیمارداری کرے، مصیبت زدوں کے کام آئے، قل لگوائے، روزی دلوائے، مظلوم کی مدد کرے، فریاد کرنے والے کی فریاد پوری کرے، مشورہ لینے والے کو صحیح اور مناسب مشورہ دے، کھانے میں عیب نہ نکالے، مصیبت پر واویلا نہ مچائے، نعمت اور مسرت آمیز چیزوں پر اترائے نہ، معافی کو شیوہ بنائے، درگذر کی خصلت کو اختیار کرے، میزبان پر بوجھ نہ بنے، دیر رات کو گھر نہ آئے، غصہ نہ ہو، کینہ نہ رکھے، حسد نہ کرے، بدنگاہی نہ کرے، بدگمانی سے بچے، گھمنڈ نہ کرے، غرور میں نہ آئے، بدکلامی، بے حیائی، بدچلنی سے اجتناب کرے، کسی کے معاملہ میں مداخلت نہ کرے مگر یہ کہ وہ خود مداخلت کو کہے، زبردستی کی بحث نہ کرے، مذاق نہ اڑائے، برا نام نہ دے، نوہ میں نہ لگے، محاسن پر نگاہ رکھے، معائب سے چشم پوشی کرے، نہ بھڑکے اور نہ بھڑکائے، بغاوت نہ کرے، افہام وتفہیم سے پیش آئے، باوقار اور منظم رہے، بردباری کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، جاہلوں سے الجھے نہ، برائی کرنے والے کو معذور سمجھے، اچھائی کرنے والے کو محسن جانے، نہ دشواری میں خود پڑے نہ دشواری میں دوسرے کو ڈالے، خودداری کو اپنائے، بے آزار نرم خو بنے، وعدہ کرے تو پورا کرے، گالی گلوج زبان پر نہ لائے، عہد شکنی سے باز رہے، حقیقت بیانی سے کام لے بھلے اپنا نقصان ہی کیوں نہ ہو، اپنا خاندانی انتساب دوسرے خاندان کی طرف نہ کرے، کسی کی تحقیر نہ کرے، بخل اور بزدلی سے کوسوں دور رہے، باحیا ہو، کسی کے نفع وفلاح میں رکاوٹ نہ بنے، کمزور پیٹ کا کچے کان کا اور ہلکے دماغ کا نہ ہو، قوت برداشت سے کام لے، یہ یقین رکھے کی ساری مخلوق نقصان پہونچانے کے لئے جمع ہو جائے تو بھی نقصان نہیں پہونچا پائے گی مگر اتنا ہی جتنا نقصان اللہ نے طے کر دیا ہے، اور اسی طرح ساری مخلوق فائدہ پہونچانے کے لئے جمع ہو جائے تو اتنا ہی فائدہ پہونچا پائے گی جتنا فائدہ اللہ نے مقرر کر دیا ہے، ہدیہ قبول کرے اور ہدیہ دے بھی، توکل ایسا کرے جیسے پرند کرتے ہیں خالی پیٹ نکلتے ہیں شام کو واپس آتے ہیں تو بھرے پیٹ ہوتے ہیں، حتی الامکان تقوی وپرہیزگاری سے کام لے، لوگوں کے مال ومتاع اور جاہ میں دل نہ لگائے، جو اسے اللہ نے دیا ہے اس پر راضی رہے، برا سلوک اگر ہو بھی جائے اچھا سلوک کر کے اس کو دھو دے، اور ہر ایک کے لئے اچھے کردار واخلاق کے ساتھ رہے، اور جو اپنے لئے پسند کرتا ہو وہی دوسرے کے لئے پسند کرے اور سب کے لئے بھلی بات زبان سے نکالے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وقولوا للناس حسنا''۔

انسانی حقوق یہیں پر ختم نہیں ہو جاتے، ایک بڑا اور سب سے بڑا انسانی حق بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانا ہے، اور یہ ایک ایسا حق ہے جس کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے بحیثیت دین ومذہب کے اسلام کو اور بطور ملت وامت کے مسلمانوں کو بنایا، اس طرح یہ مسلم امت اور اسلامی امت ایک منتخب اور مامور من اللہ جماعت ہے جس کو دوسرے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے ظہور میں لایا گیا ہے، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر صاف کر دیا ہے:

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران/۱۱۰)

''تم بہتر امت ہو لوگوں کے لئے لائے گئے ہو، نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان ویقین رکھتے ہو۔''

اور ایک دوسری آیت میں اس طرح اس ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا﴾ (بقرہ/۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ رہیں گے۔''

پیغمبر انسانیت محسن عالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ساری انسانیت کے لئے تعلیمات عطا کیں، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو اپنے نبی حبیب رسول مصطفی سیدنا محمد ﷺ پر اتار کر امت محمدی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کو ایک جامع دستور حیات بنا کر ساری انسانیت کے لئے عطا کیا، اس لئے اس سے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ امت مسلمہ کی بعثت بھی ثابت ہوئی، اس نکتہ کو نبی آخر الزماں رسول مقبول ﷺ کی صحبت یافتہ وتربیت یافتہ جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے خوب اچھی طرح سمجھا تھا، اور اسی لئے انہوں نے ایک جگہ اور ایک مقام پر رکنا ٹھہرنا پسند نہیں کیا، وہ داعی بن کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے، اندلس، ترکی، ہندوستان اور نہ جانے کن کن جگہوں میں ان کے قدم مبارک راستے کی دشواریوں اور سفر کی صعوبتوں کے باوجود پہونچ گئے، کس چیز نے اس زحمت پر ان کو آمادہ کیا، اور کس بات نے ان کو تڑپایا، اور ایک جگہ چین سے بیٹھنے نہ دیا؟ اس فکر نے ان کو تڑپایا کہ کیسے اپنے دوسرے انسانی بھائی کو آگ کا ایندھن بننے سے روکا جائے، انہوں نے سمجھا کہ بات پہونچا دینا تو کم از کم ہمارے بس میں ہے، تو جہاں تک اور جب تک بس چل سکے ہم اپنی ذمہ داری اور انسانیت کی خیر خواہی کا فریضہ انجام دے کر سرخرو ہو سکیں، جس طرح اور جیسے جہاں تک ہم جا سکتے ہوں ہم کو چلا جانا چاہئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو چکی تھی جس کی طرف دور آخر کے امام وحکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے علماء و افراد امت کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے اشارہ کیا تھا کہ ''آپ کی بعثت ''بعثت مقرونہ'' (دوہری بعثت تھی) جس کی وضاحت کرتے ہوئے دور حاضر کے امام ومجدد مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے فرمایا کہ:

''یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے، اور آپ کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلانے اور ان کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک پوری امت کی بعثت عمل میں آئی تھی۔''

(از حالات کا نیا رخ اور علمائے دین کی ذمہ داریاں)

واقعات، حالات ان سب چیزوں نے یہ ثابت کر دیا کہ بعثت ودعوت کی ذمہ داری اور اپنی ماموریت اور مسئولیت کا یہ شعور واحساس اور پوری انسانیت کو ایک اللہ رب العالمین احکم الحاکمین سے مربوط کرنے کی فکر اور نبی ورسول خاتم ﷺ کے مشن سے جوڑنے کا جذبہ نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجزن تھا بلکہ وہ ان سے سرایت کر کے تابعین عظام، تبع تابعین اور بعد کے لوگوں میں منتقل ہوتا رہا، جماعت صحابہ کے ایک فرد حضرت ربعی بن عامرؓ کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص صحابی جلیلؓ نے ایرانی چیف آف اسٹاف آرمی یا دوسرے الفاظ میں کہئے ایرانی وزیر دفاع رستم کی طلب پر ان کو اپنا سفیر بنا کر ایران بھیجا تو ان سے مغرورانہ لب ولہجہ میں پوچھا کہ تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے، انہوں نے مومنانہ وداعیانہ جواب دے کر رستم اور اس کے درباریوں کو انگشت بدنداں کر دیا کہ:

﴿اَللّٰهُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلٰی عِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ، وَمِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا اِلٰی سَعَتِهَا وَمِنْ جَوْرِ الْاَدْیَانِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ﴾ (تاریخ ابن کثیر/۳۹)

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک خدا کی بندگی پر آمادہ کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم وستم سے بچا کر اسلام کے سایہ عدل میں لائیں۔''

طائف کے اس واقعہ میں بھی انسانیت کے لئے بڑا سبق ہے جب رسول اللہ ﷺ طائف والوں کی فکر میں کہ انھیں بھی نجات وکامیابی کا وہ راستہ جو اللہ نے آپ پر وحی کیا ہے جا کر بتائیں، اور انہیں اپنا ہمنوا بنائیں طائف تشریف لے گئے تو طائف والوں نے جس سنگدلی کا معاملہ کیا وہ انسانیت کے رونگٹے کھڑا کر دینے والا ہے، سرداران طائف نے اوباش لڑکوں کو پیچھے لگا دیا، جنہوں نے سنگ باری کی، لعن طعن کیا، سب وشتم کیا، رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ یہ سوچ کر برداشت کیا کہ یہ نہیں سمجھ رہے ہیں، ان کے بعد کے لوگ سمجھیں گے، رسول اللہ ﷺ نے یہ سوچ کر اپنی امت کے لوگوں پر ذمہ داری ڈالدی کہ انھیں دعوت کے اس اہم فریضہ سے غافل نہیں ہونا چاہئے، اور اپنے انسانی بھائیوں کی نجات وفلاح کی فکر کرتے رہنا چاہئے، یہ ایسا موقع تھا کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تو بددعا دے کر پوری بستی کو تہس نہس کرا سکتے تھے، اور پھر اس وقت جب کہ جبرئیل روح القدس علیہ السلام بحکم خداوندی آکر عرض کر رہے تھے کہ اللہ نے ایک فرشتہ کو جس کے متعلق

پہاڑوں کی خدمت ہے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں اس کے بعد اس فرشتہ نے سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد ہو تعمیل کر دی جائے اگر آپ کہیں کہ دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں اور جو سزا آپ تجویز فرمائیں! رسول اللہ ﷺ نے ان حالات میں اور اس فیصلہ کی گھڑی کے وقت بھی غضب کے بجائے رحمت و عافیت مانگی، اور اس امید کا اظہار کیا کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوتے تو ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی پرستش اور عبادت کریں گے۔

دعوت و تبلیغ اور ارشاد و ہدایت کے کام میں اللہ نے جو تاثیر رکھی ہے، وہ مختلف نوعیتوں کی ہے، ایک بڑی تاثیر اور فائدہ یہ ہے کہ انسان کی اس ناحیہ سے فکر کرنے والا کم از کم خود کامل انسان ایک نہ ایک وقت بن جاتا ہے، دنیا میں انسانوں اور بہائم کی مخلوط آبادی میں رہ کر بہیمیت کا جو غلبہ ہونے لگتا ہے وہ دب جاتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ بہیمی اثر زائل ہو جاتا ہے۔

دوسرا بڑا فائدہ اور تاثیر یہ ہے کہ کیفیت میں وہ اتنا وزنی اور قیمتی ہو جاتا ہے کہ وہ ہزار پر اور کبھی اس سے کہیں زیادہ تعداد پر بھاری پڑنے لگتا ہے (۱) اس کی ایک آواز میں وہ اثر اور دم ہوتا ہے کہ پورے خطہ کی آبادی اس آواز کے آگے بے دم اور بے حیثیت ہوتی ہے، تاریخ اسلام میں بار بار اس کی مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں، تاتاریوں کا واقعہ اس سلسلہ کی بڑی مثال ہے کہ تاتاری قوم دنیا کے لئے ایک بڑی آزمائش اور ابتلا بنی ہوئی تھی اور طوفان بلا خیز کی طرح وہ دوسری اقوام کو لپیٹ میں لے رہے تھے اور ان کے ظلم و ستم کا خاص نشانہ مسلمان تھے، کہ ایک مرد باخدا کے دل سے نکلی آواز ان کے دلوں کو چیرتی ہوئی پھیل گئی اور تاتاری قوم مشرف باسلام ہو گئی (۲)، اسی زمانہ کی ایک دوسری شخصیت خواجہ معین الدین چشتی کی بھی ہے جو ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں سرزمین ہندوستان آئے تھے لیکن انسانیت کی فلاح و بہبود اور ابدی و اخروی نجات کا جو درد لے کر آئے تھے اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ مشرف باسلام ہوئے (۳)، دسویں صدی ہجری کے آغاز پر نظر ڈالئے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی بڑی جرأت و بیباکی سے انسانی تفاوت و امتیاز کو چیلنج کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان پر یہ فوقیت نہیں رکھتا کہ وہ کوئی نیا مذہب بنا کر دوسرے انسانوں کو اس مذہب کا ماننے والا بنائے، ایک انسان دوسرے انسان پر یہ برتری نہیں رکھتا کہ وہ دوسرے انسان کو اپنے آگے جھکائے اور سجدہ کرائے، ان کی اس آواز نے نہ صرف دین اکبری کے پرخچے اڑا دیے بلکہ ایوان جہانگیری میں لرزہ پیدا کر دیا، پھر اسی خاندان میں اورنگ زیب عالمگیر پیدا ہوئے اور انہوں نے اسلامی قانون کو جس میں سب سے زیادہ انسانی مفادات کا پاس و لحاظ رکھا گیا نافذ کیا، اور اسلام کو ہی سرکاری مذہب قرار دیا (۴)، پھر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ فلاں خطہ اور علاقہ میں انسان انسان میں وہ تفاوت ہو گیا ہے جو انسان اور حیوان میں ہوتا ہے تو وہ اس تفاوت کو دور کرنے کے لئے اپنے وطن سے نکل پڑے اور ان علاقوں کی حکومتوں سے جنگ کی، اور شہید ہو گئے وہ تو شہید ہو گئے مگر وہ دبے کچلے انسان انصاف پا گئے جن کی فکر میں وہ نکلے تھے، اور اس ایک فرد کے عزم و حوصلہ نے دوسرے تمام انسانوں کو عزم و حوصلہ اور قوت بہم پہونچا دی۔

اور ابھی ماضی قریب میں ہندوستان میں جب مسلم اقلیت کو اپنے پرسنل لاء پر مطلقہ کے نان و نفقہ کے مسئلہ میں حکومت و عدالت کی مداخلت کا سامنا کرنا پڑا تو پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ و مولانا شاہ سید منت اللہ رحمانیؒ اور ان کے رفقاء نے اس کو چیلنج کیا جس کے نتیجہ میں حکومت ہند نے یہ کہہ کر مسلمانوں کے حق میں یہ بل پوری اکثریت سے پاس کر دیا کہ "حکومت ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے جذبات و احساسات کو نظر انداز نہیں کر سکتی" (۵) بعد میں جب وندے ماترم کو اسکولوں میں لازم کیا جانے لگا تو اسلام کی روح اور توحید سے اس کے منافی ہونے کو مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے پورے زور اور طاقت سے واضح کیا، اور ان کی بات کو ذرائع ابلاغ نے ایک ہی وقت میں ہر طرف عام کر دیا، آخر حکومت مجبور ہوئی اور اس نے اس فیصلہ کو واپس لے لیا اور اترپردیش میں ریاستی وزیر تعلیم کو اس جرم کی پاداش میں برطرف کیا گیا، مولانا کے سلسلہ میں لوگوں کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ یہ ملک و ملت اور انسانیت کے ہمدرد و بہی خواہ اور ایک بے لوث عالم دین اور داعی انسانیت ہیں، یہ چند نمونے ایک داعی اور رہنما انسان کی قیمت و کیفیت و حیثیت کے پیش کئے گئے جو اپنی دعوت و فکر انسانیت کی وجہ سے ہزاروں افراد پر بھاری پڑ جاتا ہے، اور اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ زمانہ کے دھارے اور رخ کو بدل سکتا ہے، اور ہلاکت کے گڑھے میں گرتی انسانیت کو بچا لیتا ہے، یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ اس کے عمل و کردار سے اس میں پیدا فرماتا ہے۔

انسانیت کی فکر اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کا جذبہ، غلط خیالات اور افکار میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو صحیح الخیال اور صحیح الفکر بنانے کا حوصلہ اسلام اور دین کی تعلیمات سے مربوط کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جوڑنے کا ولولہ ایک فائدہ و اثر اور دکھاتا ہے وہ عددی قوت اور تعداد میں اضافہ کا ہے، ایسے لوگ بھلے بہت تھوڑے ہوں مگر بڑھتے جاتے ہیں، اسلام کا قافلہ ۴ چار نفر سے آگے چلنا شروع ہوا، تاریخ اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو یہ چالیس کی عدد کو پہونچا اور ابھی کچھ تعداد بڑھی پھر اس قافلہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو پہلے معرکۂ حق و باطل جنگ بدر میں مسلمان ۳۱۳ تھے، بعد کی تفصیل اس طرح ہے:

"مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار کیا گیا، پہلی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰۰، دوسری میں ۶۰۰، اور تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، تو پھر اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

کیا اور اطمینان کی سانس لی، کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار کے ہو گئے ہیں، اب ہمیں کیا ڈر ہے، ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے، جب ہم اکیلے نماز پڑھتے تھے، اور پھر بھی ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔ (اصلاحیات از مولانا ابوالحسن علی ندوی بحوالہ صحیح البخاری "باب کتابۃ الامام للناس)

صلح حدیبیہ ۶ھ میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی، پھر یہ تعداد بڑھ کر صرف دو سال کے قلیل عرصہ میں ہزاروں سے تجاوز ہو گئی، کہ جب مسلمان اور غیر مسلموں کا بلا خوف و خطر آمنا سامنا ہوا اور مسلمانوں کو اسلام کا تعارف کرانے کا اچھا موقع ملا اور انہوں نے ملاقات کا حق سمجھ کر صحیح بات ان کے سامنے رکھی تو وہ بات دلوں میں اترتی چلی گئی، چنانچہ دو سال بعد جب مکہ مکرمہ میں ۸ھ میں مسلمان فاتحانہ طور پر داخل ہوئے، اور مرکز اسلام و مرکز عالم میں انہوں نے عود کیا تو ان کی تعداد دس ہزار تھی، اس کے بعد مسلمانوں کو دعوت اور صحیح رہنمائی کی سہولتیں اور زیادہ فراہم ہوئیں اور انہوں نے ایسا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا، اس کا فائدہ انھیں کئی گنا نظر آیا، اور دو سال بعد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر جس کے تین ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی، مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ چودہ ہزار اور ایک لاکھ تیس ہزار کے بیچ تک لگایا گیا ہے، مسلمانوں کی تعداد جو سب سے شروع میں صرف ۴-۵ کے عدد تک محدود تھی، وہ ۱۱ھ کی مردم شماری میں یعنی ۲۳ سال کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ کو عبور کر گئی۔ اور اب جب کہ ۲۰۰۱ء (۱۴۲۱-۱۴۲۲ھ) کی مردم شماری سامنے آئی تو مسلمانوں کی تعداد دنیا کی ۶ ارب ۲ کروڑ ۱۹ لاکھ کی آبادی میں ایک ارب نوے کروڑ بیس لاکھ پہونچ گئی ہے، جس سے ان کا تناسب ۲۱٫۵۸٪ فیصدی ہوتا ہے۔ (۶)

کیفیت و کمیت کے فائدہ کے ساتھ داعی کو ایک فائدہ وسعت رزق اور نصرت و تائید ایزدی کا بھی ہوتا ہے ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ میں اس کی طرف واضح اشارہ ہے، اور تاریخ اسلام میں ہمیں بار بار اس کے نمونے ملتے ہیں، جہاں تک روزی کے غیب سے انتظام اور اس کی وسعت و برکت کا تعلق ہے، تو اس کی طرف اس آیت کریمہ میں بڑا لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ "کہ اپنے متعلقین کو نماز کی تاکید کرو اور خود اس پر مضبوطی سے جمے رہو ہمارا تم سے روزی کا مطالبہ نہیں ہے روزی تو ہم تمہیں دیں گے،" اس آیت کریمہ میں داعی کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ اس کو روزی کی طرف سے پریشانی نہیں اٹھانی پڑے گی، اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب غیب پیدا فرماتا رہے گا۔

قرآن مجید کو نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر دوہری ذمہ داری عائد کی وہ یہ کہ قرآن مجید کو اس کے الفاظ کی صحت و تجوید اور اس کے معانی و مطالب میں فہم و تدبر سے کام لے کر دوسروں تک ان کے مقصد و پیغام کو پہونچانے کا انسانی و اسلامی فریضہ اور ربانی خدمت انجام دے، یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق و محبت کا ایک ادنیٰ حق بھی ہے، اور اسی میں انسانی برادری کا بڑا اور بنیادی حق ہے، اور یہ ایک ایسا حق ہے جو تا قیام قیامت رہے گا، اور قرآن مجید کے ساتھ جس کی حفاظت و بقا کا اللہ کا وعدہ ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" یہ حق مربوط ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الٓرٰ، كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ، بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ، اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (سورہ ابراہیم ۱-۲)

"یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف ان کے رب کے حکم سے راہ کی طرف اس زبردست خوبیوں والے اللہ کے جس کا ہے جو کچھ کہ موجود ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔"

یہ امت مسلمہ داعی امت ہے اور پوری انسانی برادری مدعو ہے، صراط مستقیم کی طرف بلانا، اور راہ راست کی حقیقت ان پر واضح کرنا یہ بحیثیت امتی کے ایک بڑا اسلامی و انسانی فریضہ ہے جس کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو کمر بستہ رہنا چاہئے، اور نصرت و ہدایت و توفیق کے برابر دعاگو ہوتا رہنا چاہئے۔ کہ ہدایت و توفیق دینا اللہ ہی کا کام ہے۔

وما علینا الا البلاغ

❁❁❁

حاشیہ

(۱) اس بات کو ان احادیث نبویہ سے بھی سمجھا جا سکتا ہے جن میں اس حیثیت اور کیفیت کو بیان کیا گیا ہے اور تاریخ امم و اقوام و رجال سے بھی جانا جا سکتا ہے، جس میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

"فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم"

"عالم کے عابد سے مقابلہ کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عابد کو اپنی ذات کی فکر ہوتی ہے اور اس کو سنوارنے اور ترقی دینے میں لگا رہتا ہے، عالم کو اپنی فکر کے ساتھ انسانیت اور انسانوں کے متعلقات کے بھی سنوارنے اور ترقی دینے کی فکر ہوتی ہے۔"

(۲) اس واقعہ کی تفصیل اس کے حقائق و نتائج کی روشنی میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۳) مورخین کا اندازہ ۹۰ لاکھ اور ایک کروڑ تک جاتا ہے۔

(۴) اسلامی قانون کے متعلق ایک غیر مسلم ماہر قانون جسٹس بی۔ آر۔ بھاردواج نے اپنی کتاب "یونی فارم سول کوڈ" میں رائے دی ہے کہ "اگر بالفرض ہندوستان میں سب لوگوں کے لئے صرف ایک عائلی قانون لاگو کیا جائے تو پھر میری رائے ہے کہ مسلم پرسنل لاء کو لاگو کیا جانا چاہئے اس لئے کہ انسانیت کے لئے اس سے زیادہ مکمل اور جامع اور کوئی قانون نہیں۔

(۵) سابق وزیر اعظم ہند راجیو گاندھی نے ایک تحل اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ "اسلامی قانون ہمارے قانون سے بڑھ کر عورتوں کے حقوق و مفادات کا ضامن ہے۔

(۶) یہ تجزیہ "ڈینک بھاسکر" سے لیا گیا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

رپورٹ

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کا وسطی وجنوبی ہند کا دینی، دعوتی اور ادبی دورہ

ترتیب وپیشکش: اقبال احمد ندوی

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ماہ جون کے نصف اخیر میں ایک دینی، دعوتی اور ادبی دورہ پر تشریف لے گئے، یہ دورہ بمبئی سے شروع ہوکر ناگپور، حیدرآباد، بنگلور اور سرنگا پٹن ہوتے ہوئے بھوپال پر ختم ہوا، اس دوران آپ نے مختلف علمی، فقہی وادبی سیمیناروں میں شرکت فرمائی، اصلاح معاشرہ کے جلسوں سے خطاب فرمایا، اور مدارس وجامعات اور علمی وتعلیمی مرکزوں کا معائنہ کیا، جہاں اساتذہ وطلبہ کو مفید مشورے دیئے اور قیمتی نصیحتیں کیں، نیز میڈیا والوں کو ملکی وغیر ملکی حالات حاضرہ پر انٹرویوز دیئے۔ مجموعی طور پر یہ دورہ ماشاء اللہ بہت مفید اور دوررس نتائج کا حامل رہا، پیش ہے قارئین تعمیر حیات کے لئے اس دورہ کی مختصر رپورٹ۔ (ا. ا. ن.)

بمبئی میں حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی عیادت:

حضرت مولانا مدظلہ العالی لکھنؤ سے مورخہ ۱۴ر جون ۲۰۰۴ء کی شام کو بمبئی کے لئے روانہ ہوئے، بمبئی جانے کا اصل مقصد عارف باللہ، شیخ وقت، محی السنہ حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی عیادت تھی، جہاں حضرت بغرض علاج مقیم ہیں، حضرت محی السنہ مدظلہ العالی کی بیماری کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اور صحت میں اتار چڑھاؤ جاری ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر میں برکت دے اور مسلمانان عالم کو عموماً اور مسلمانان ہند کو خصوصاً آپ سے استفادہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے۔ حضرت مولانا نے ان کی عیادت فرمائی اور مزاج پرسی کی، حضرت بھی مولانا کی آمد سے خوش ہوئے اور اپنی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس دوران لوگوں کی آمد اور ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور آپ ان کی دینی ودعوتی رہنمائی فرماتے رہے۔

ناگپور میں مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کی عیادت:

بمبئی سے ۱۹ر جون کو صبح دس بجے ناگپور تشریف آوری ہوئی جہاں مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کی عیادت فرمائی، مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کی بینائی ادھر کچھ عرصہ سے متاثر ہے، جس کا ان پر کافی اثر ہے، حضرت مولانا مدظلہ العالی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے ان کو تسلی دی، اور درس قرآن اور دیگر دینی ودعوتی خدمات جو مولانا کا معمول تھا اور آج کل اس کا سلسلہ ترک تھا دوبارہ شروع کرنے کا مشورہ دیا۔ مولانا کو بھی ان حضرات کی تشریف آوری سے بے حد مسرت ہوئی۔

حیدرآباد میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے سیمینار میں شرکت:

حیدرآباد میں ۲۰ر تا ۲۲ر جون اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا چودھواں فقہی سیمینار دارالعلوم سبیل السلام کے زیر اہتمام ہونا تھا، جس میں حضرت مولانا مدظلہ العالی کو کلیدی خطبہ پیش کرنا تھا، چنانچہ ۲۰ر جون کی صبح تقریباً آٹھ بجے حیدرآباد پہونچے، پہلے اپنی قیام گاہ عبد اللہ بھائی پٹنی کے فلیٹ پر تشریف لے گئے، اور ناشتہ اور دیگر ضروریات سے فارغ ہوکر ساڑھے گیارہ بجے جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔

حضرت مولانا نے اپنے کلیدی خطبہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے قیام، غرض وغایت اور افادیت پر روشنی ڈالی، اور فقہی سیمینار کے موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انشاء اللہ حضرت کا پورا خطبہ اسی شمارہ میں دیا جارہا ہے۔

مؤرخہ ۲۲ر جون کو بعد نماز مغرب پرکاشم ہال گاندھی بھون میں سیمینار کا اختتامی اجلاس منعقد ہوا، اس میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمانان ہند تحفظ شریعت کے لئے جہاں حکومت کی طرف سے آنے والی رکاوٹ کو دور کرنے کا مطالبہ کریں وہیں خود شریعت اسلامی کو اپنی زندگیوں میں نافذ بھی کریں، مسلمانوں کو یہ محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ شریعت اسلامی پر کس حد تک عمل پیرا ہیں۔ صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے خود عمل کرتے ہوئے دوسروں کو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرنا ہے۔

مولانا نے اسلامی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب جب بھی مسلمانوں نے اسلامی احکام پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزاری اللہ کی نصرت حاصل ہوئی، خالق کائنات کا یہ وعدہ ہے کہ تم اچھے اعمال کروگے تو تمہیں نہال کیا جائے گا، اور اس بات سے ڈرایا بھی گیا ہے کہ روگردانی پر تمہیں سزا بھی دی جائے گی۔ مسلمانوں کی تاریخ کے واقعات بتاتے ہیں کہ انہیں جب اور جہاں مشکلات، پریشانیاں اور رسوائیاں پیش آئیں وہ ان کی بداعمالیوں کا نتیجہ تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے حالات اسی وقت سازگار ہوں گے جب ہم اپنی زندگیوں کو شریعت کے سانچے میں ڈھال لیں گے۔

۲۱ر جون کو بعد نماز عصر تبلیغی مرکز (ملے پلی مسجد) میں امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا نعیم اللہ خاں صاحب کی طرف سے عصرانہ تھا، حضرت مولانا مدظلہ العالی وہاں تشریف لے گئے، اور مغرب تک ذمہ داران تبلیغ سے دینی اور دعوتی امور پر باتیں ہوتی رہیں۔ مغرب کی نماز مرکز کی مسجد میں ادا کی۔

بعد نماز مغرب مرکز کے قریب ہی واقع مولانا سید ابوالحسن علی ندوی میموریل سینٹر کے کانفرنس ہال میں "موجودہ عالمی حالات اور ہماری ذمہ داریاں" کے موضوع پر مجلس انتظامی ابوالحسن علی میموریل سینٹر وجمیع اراکین رابطہ ابنائے ندوہ حیدرآباد کی طرف سے حضرت مولانا مدظلہ العالی کے ایک خصوصی خطاب کا اہتمام کیا گیا تھا، چنانچہ نماز کے بعد حضرت مولانا وہاں تشریف لے گئے اور موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں آپ نے بہت جامع اور مفصل خطاب فرمایا، آپ نے بہت تفصیل سے یہودیوں اور مسلمانوں کی تاریخ کا جائزہ لیا اور ان کے عروج وزوال کے اسباب پر روشنی ڈالی، اور پھر ﴿كنتم خير امة اخرجت للناس، تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر، و تؤمنون بالله﴾ (سورہ آل عمران: ۱۱۰) اور ﴿و كذلك جعلناكم امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيداً﴾ (سورہ البقرہ: ۱۴۳) کی بہت دلنشیں تشریح فرمائی اور مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ بقول مخصے حضرت مولانا کی یہ تقریر بڑی اثر انگیز اور عالمانہ تقریر تھی۔ (انشاء اللہ پوری تقریر آپ اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں گے)۔

بنگلور:

۲۲ر جون کی شام کو حضرت مولانا مدظلہ العالی مع اپنے رفقاء سفر کے بنگلور کے لئے روانہ ہوئے اور دوسرے روز دوپہر میں بنگلور پہونچ کر جناب ضیاء اللہ شریف صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے، اس روز آرام فرمانے کا ارادہ تھا، لیکن پھر بھی اخبار والوں نے پیچھا نہیں چھوڑا، اور فقہ اکیڈمی، اس کے حالیہ سیمینار منعقدہ حیدرآباد، بابری مسجد اور مسلم پرسنل لاء سے متعلق متعدد سوالات کئے اور حضرت مولانا نے بھی سوالوں کے اطمینان بخش اور مناسب جوابات دیئے۔

کولار میں جلسۂ اصلاح معاشرہ:

۲۴ر جون کو شام ساڑھے سات بجے رحمانیہ شادی محل کولار میں اصلاح معاشرہ کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر ایک جلسۂ اصلاح معاشرہ منعقد ہوا، جلسہ کی صدارت حضرت امیر شریعت کرناٹک مولانا مفتی محمد اشرف علی باقوی نے فرمائی، اس میں حضرت مولانا سید محمد رابع مدظلہ العالی نے بصیرت افروز جامع اور مکمل خطاب کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، وہ مقصد ہے اپنے رب کے احکام کی اطاعت۔ ہمارے غلط اعمال کے نتیجہ کی سزا ہم دنیا ہی میں بھگت رہے ہیں، ہمارے ملک میں بھی ایسا ہو رہا ہے، اگر ہمارا عمل اچھا ہے تو اس کا انجام بھی اچھا ہوگا، اور ہمارا عمل برا ہے تو انجام بھی برا ہوگا۔

دارالامور سرنگا پٹن:

۲۵ر جون کو بعد نماز جمعہ حضرت مولانا مدظلہ العالی دارالامور سرنگا پٹن تشریف لے گئے، جہاں ضیاء اللہ شریف صاحب نے حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے چند قدم کے فاصلہ پر وسیع وکشادہ زمین پر "ٹیپو سلطان اعلیٰ تعلیمی وتحقیقی مرکز" کے نام سے ایک علمی وتحقیقی مرکز قائم کیا ہے، جہاں ہر سال ہندوستان کے مختلف مدارس اسلامیہ عربیہ سے فارغ ہونے والے بیس فضلاء کا کسی متعین موضوع پر مقالہ نویسی اور انٹرویو کی بنیاد پر داخلہ لیا جاتا ہے، اور انہیں کمپیوٹر، سائنس وماحولیات، مینجمنٹ وشخصیت سازی، مطالعۂ مذاہب، تاریخ اسلام وتاریخ ہند، دعوت وارشاد اور دیگر عصری موضوعات کی تعلیم دی جاتی ہے، طلبہ کو معقول وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی کا قیام یہاں ایک روز رہا، اس دوران آپ نے طلبہ کو نصیحتیں فرمائیں، ان کو آئندہ زندگی میں کام آنے والے مفید مشورے دیئے، اور انہیں ان کی دعوتی وتعلیمی ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ مولانا نے خاص طور پر طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرکے دیکھنا چاہئے کہ آپ نے کس موقع پر کیا ہدایات دی ہیں؟ اور پھر انہیں اپنی زندگیوں کے لئے مشعل راہ بنانا چاہئے، اسی میں ہماری کامیابی ہے۔

اس موقع سے جناب مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی کا بھی بہت مفید اور پُر از معلومات محاضرہ ہوا، نیز مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب ندوی وہاں پہلے سے موجود تھے، ان کے محاضرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

ٹمکور میں دار الارقم ٹرسٹ پبلک اسکول کا معائنہ وسنگ بنیاد:

سرنگا پٹن سے حضرت مولانا مدظلہ العالی ۲۶ر جون کو دوپہر میں ٹمکور کے لئے روانہ ہوئے، اور عصر سے کچھ پہلے ٹمکور پہونچے جہاں ایک جواں سال ندوی فاضل مولانا محمد خالد بیگ صاحب دارالارقم ٹرسٹ پبلک اسکول اور دارالارقم معہد القرآن کے نام سے دینی اور عصری ادارہ چلارہے ہیں، پبلک اسکول انگلش میڈیم ہے، اس کی خاص بات یہ ہے کہ بچوں کو کھلونوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے، مثلاً ہاتھی، بکری اور شیر کے بارے میں بتانا ہو تو لکڑی کی بنی ہوئی ان کی تصویریں ہوتی ہیں جن پر نمبر پڑے ہوتے ہیں، طلبہ نمبروار مختلف ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ کر ان کی تصویریں بناتے ہیں، اس طرح نظری کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی اشیاء کی پہچان کرائی جاتی ہے۔ نیز قرآن کریم کی جو آیات اور سورتیں بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں ان کا انگلش ترجمہ بھی ساتھ ساتھ بتایا جاتا ہے، اور بچے وبچیاں انہیں یاد رکھتے ہیں اور پوچھنے پر فرفر سنا دیتے ہیں، کئی بچوں کا امتحان لیا گیا اور سب نے ماشاء اللہ بہت صحیح جواب دیئے جس سے ان بچوں پر اساتذہ کی محنت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا خالد بیگ صاحب ندوی کا یہ ادارہ ماشاء اللہ دینی وعصری تعلیم کا ایک حسین سنگم ہے جس کی آج کل سخت ضرورت ہے۔

حضرت مولانا نے اس مدرسہ کا معائنہ کیا اور بعد نماز عصر اس کی عمارت کی دوسری منزل کا سنگ بنیاد رکھا، نیز اسی سے متصل اقصیٰ ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ رجسٹرڈ کا بھی سنگ بنیاد رکھا، دونوں پروگراموں میں حضرت مولانا مدظلہ العالی کے رفقائے سفر کے علاوہ امیر شریعت کرناٹک مفتی اشرف علی صاحب باقوی اور مولانا سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی ندوی بھی موجود تھے۔

جلسۂ اصلاح معاشرہ ٹمکور:

اسی روز بعد نماز مغرب ساڑھے سات بجے شام کو ٹمکور میں اصلاح معاشرہ کا جلسہ ہوا، جس کا خاص موضوع یہ تھا کہ اسلام میں اصلاح معاشرہ کے لئے کیا ہدایات اور تعلیمات ہیں؟ اور آج ہمارے معاشرہ میں قابل اصلاح کون کون سے امور ومعاملات ہیں؟

اس میں خطاب فرماتے ہوئے حضرت مولانا

مدظلہ العالی نے فرمایا کہ اصلاح معاشرہ کا مطلب سماجی زندگی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ مولانا نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا کہ آج مسلمان نکاح، وراثت، بیوی کے حقوق اور کئی معاملات پر من مانی کررہے ہیں، جب کہ ان کے پاس مکمل نظام حیات ہے۔ مولانا نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے اغراض و مقاصد کا احاطہ کرتے ہوئے بتایا کہ شریعت اسلامی میں تبدیلی کی کوششوں کے خلاف بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا نے واضح کیا کہ انسان کے بنائے ہوئے قانون میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے مگر اللہ تعالی کا قانون کوئی نہیں بدل سکتا۔ مسلمانوں کو آواز دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اپنی شریعت کا تحفظ کریں اور اسے اپنی زندگیوں میں نافذ کریں تب کہیں جاکر دوسروں سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہماری شریعت میں مداخلت نہ کریں۔

جلسہ سے امیر شریعت کرناٹک مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی، مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی، مولانا قدیر احمد شاہ اداء الآمری اور ڈاکٹر نذیر احمد نے بھی خطاب کیا۔ مولانا خالد بیگ ندوی نے جلسہ کی نظامت کی۔

ٹیپو سلطان شہیدؒ کی حیات وخدمات پر سیمینار، بنگلور:

مورخہ ۲۷ر جون کو ایوان حضرت مولانا ابو السعودؒ، سبیل الرشاد عربک کالج کیمپس، بنگلور میں رابطہ ادب اسلامی کی کرناٹک شاخ کے زیر اہتمام حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ کی حیات وخدمات پر ایک یکروزہ سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا مدظلہ العالی نے فرمائی، اپنے صدارتی خطاب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ میں دو اہم صفات پائی جاتی تھیں: ایک اولو العزمی اور دوسری بصیرت و دور اندیشی جس سے برطانوی حکومت بے حد متفکر اور اسے بنیادی اہمیت دینے والی تھی، اپنی فوجی حکمت عملی اور تدبیر کے ساتھ ساتھ سلطان شہیدؒ ہمہ جہتی صفات کے مالک تھے، اخلاق وکردار کی تربیت دینا، اپنے ذاتی مفادات پر عوام اور قوم کے مفادات کو ترجیح دینا، علم وفن کا فروغ، عوام کی سہولتوں کا خیال رکھنا، غرض ایک حکمراں کی حیثیت سے انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو بھرپور انداز میں نبھایا۔ سیمینار میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے بھی "ٹیپو سلطان ایک مثالی حکمراں" کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا، انشاء اللہ حضرت مولانا مدظلہ العالی کا خطبۂ صدارت اور مولانا سید محمد واضح رشید صاحب کا مقالہ قارئین کرام اسی تعمیر حیات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

میڈیا والوں کو انٹرویو:

حیدر آباد اور بنگلور میں میڈیا والوں نے حضرت مولانا مدظلہ العالی سے کئی انٹرویوز لئے، بابری مسجد کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ بابری مسجد کا مسئلہ ایک شرعی مسئلہ ہے، اور لین دین سے شرعی مسئلہ کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس موضوع پر اکثریتی طبقہ کے بعض نمائندوں سے مذاکرات ہوئے لیکن وہ سب بے نتیجہ ثابت ہوئے، اس سے الجھاؤ بڑھا، مسئلہ کے حل میں پیش رفت نہیں ہوئی، مسئلہ عدالت میں زیر سماعت ہے، اس لئے ہمیں عدالتی فیصلہ کا انتظار کرنا چاہئے۔ مرکز میں نئی حکومت سے متعلق پوچھے جانے والے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ سیکولر ہونے کی بناء پر ہم اس سے توقعات رکھ سکتے ہیں تاہم ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہی ہوگا۔

مولانا نے ملت اسلامیہ کو پیغام دیا کہ ذاتی مفاد کے مقابلہ میں ملت کے مفاد کو ترجیح دیں، اللہ اور اس کے رسول کی مرضی پر عمل کریں، اسی میں قوم وملت کا فائدہ ہے۔

ایک اور سوال کے جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ اصلاً شریعت کے تحفظ کے لئے مسلم پرسنل لا بورڈ بنا ہے، دیگر مسائل کے حل کے لئے بہت ساری جماعتیں اور تنظیمیں موجود ہیں۔ دار القضاء کے مؤثر اور طاقتور نہ ہونے کے بارے میں دریافت کرنے پر مولانا نے فرمایا کہ دار القضاء کے پاس حکومت جیسی طاقت نہیں ہے، ہم لوگوں کو دار القضاء کی طرف راغب کرسکتے ہیں دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ مولانا مدظلہ العالی نے مزید فرمایا کہ اصلاح معاشرہ کا کام صرف مولوی، ملا اور علماء ہی کا نہیں، بلکہ یہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے، ہر شخص اپنے حلقہ میں اصلاح کا کام کرسکتا ہے، اور کرنا چاہئے۔ مسلمانوں کے مختلف طبقوں، جماعتوں اور مسلکوں میں اتحاد کے تعلق سے مولانا نے کہا کہ جب تک دلوں کا اتحاد نہ ہوگا حقیقی اتحاد ناممکن ہے، اگر دلوں کو جوڑا نہ جائے تو پھر اتحاد ناممکن ہے، شرعی معاملات میں ہمیں آپس میں تعاون اور عملی توجہ کرنا ضروری ہے۔

جماعت اسلامی کے وفد سے ملاقات:

بنگلور میں حضرت مولانا مدظلہ العالی سے جماعت اسلامی ہند حلقہ کرناٹک وگوا کے ایک وفد نے بھی ملاقات کی، جماعت کی کارکردگی کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب مولانا محمد یوسف کنی سکریٹری نے بتایا کہ کنڑی زبان میں اسلامی تعلیمات کو پیش کرنے کے لئے اب تک ۲۰۰ سے زائد عنوانات پر کتابیں منظر عام پر لائی جاچکی ہیں، اور قرآن مجید کے ترجمہ اور تلخیص کا کام بھی ہوا ہے، ہفت روزہ سنمارگ اور ماہنامہ انوپم کے ذریعہ برادران وطن اور برادران ملت میں اسلام کا تعارف اور فکر اسلامی کی اشاعت کا کام انجام پارہا ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ العالی نے ان تفصیلات کو سننے کے بعد فرمایا کہ یہ ایک بہت بڑا کام ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ علاقائی زبان کے ذریعہ جو کام ہوگا وہ دیگر زبانوں سے نہیں ہو پاتا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مولاناؒ علاقائی زبان نہ صرف سیکھنے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

اس موقع پر حضرت مولانا مدظلہ العالی نے ملت اسلامیہ ہندیہ، عالمی امن، دہشت گردی اور اسلامک فقہ اکیڈمی کا بھی تذکرہ کیا۔ وفد میں مولانا ثانی امیر احمد رکن جماعت اور مولانا وحید الدین عمری مدنی بھی شریک تھے۔

دار العلوم تاج المساجد بھوپال میں طلبہ و اساتذہ سے خطاب:

۲۸ر جون کو شام ساڑھے چھ بجے لکھنؤ کے لئے روانگی ہوئی، لیکن درمیان میں ۲۴ گھنٹے کے لئے بھوپال میں رکنا تھا، ۲۹ر جون کو عشاء کے قریب بھوپال پہونچے، اور دار العلوم تاج المساجد میں قیام ہوا۔ اس موقع سے وہاں کی حزب الطلبہ کی طرف سے حضرت مولانا مدظلہ العالی کو استقبالیہ دیا گیا، اس میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں دار العلوم تاج المساجد اور دار العلوم ندوۃ العلماء کو ایک ہی ادارہ سمجھتا ہوں اور میرا دونوں سے جذباتی اور قلبی لگاؤ ہے، اور جی چاہتا ہے کہ تاج المساجد وسطی ہند کا ایک بڑا تعلیمی مرکز بن جائے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ نیز مولانا نے علم کی فضیلت واہمیت طلبہ کے سامنے واضح کی اور انہیں تعلیم میں محنت کرنے کی تلقین کی۔

اس سے قبل جناب مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی نے بھی اساتذہ وطلبہ کو بہت جامع اور وقیع خطاب کیا۔

۳۰ر جون کو بعد نماز عصر کمپینین اسکول بھوپال کے معائنہ کے لئے تشریف لے جانا ہوا، یہاں عصری تعلیم انگلش میڈیم میں دی جاتی ہے، اور ہر بچہ پر قرآن، دینیات اور اردو بطور لازمی نصاب کے ہے، نرسری سے بارہویں تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ حضرت مولانا نے اس موقع پر اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل اپنی اخلاقی قدروں پر قائم رہتے ہوئے عصری تعلیم حاصل کرے، ورنہ جو لوگ تعلیم کے زمانہ میں دینی واخلاقی قدروں سے محروم رہتے ہیں وہ بعد میں اسلام سے بالکل ہی دور ہوجاتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ ایک مبارک اور مفید کام ہے، میں اس میں اپنی تائید شامل کرتا ہوں، اور کامیابی کی دعاء کرتا ہوں۔ ضرورت ہے کہ ایسے اسکول اور قائم کئے جائیں کیونکہ ایک دو اسکول شہر بھر کی ضرورت پوری نہیں کرسکتے۔

اس سے پہلے حضرت مولانا مدظلہ العالی مع اپنے رفقاء کے مولانا حبیب ریحان خاں ندوی ازہری کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو دل کے مریض ہیں اور عرصہ سے بیمار چل رہے ہیں، وہاں بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی، اور ندوہ کی پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔ مولانا حبیب ریحان خاں صاحب نے اپنے والد محترم جناب مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی کے کئی واقعات سنائے جو تعلیم وتربیت سے متعلق تھے۔

دو ہفتہ سے زائد اس سفر میں حضرت مولانا مدظلہ العالی کے ساتھ مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی، مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی، حاجی عبد الرزاق صاحب، حاجی شاہد حسین صاحب، اقبال احمد ندوی اور مولوی نظار الاسلام ندوی شریک کارواں رہے۔ ماشاء اللہ مولانا سید عبد اللہ حسنی صاحب کے بھی متعدد مستقل پروگرام ہوئے اور مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی نے بھی خطاب فرمایا، انشاء اللہ ان حضرات کی تقریریں بھی آتی رہیں گی تاکہ عوام الناس کو فائدہ پہونچے۔

الحمد للہ کیم ر جولائی ۲۰۰۴ء کو حضرت مولانا مدظلہ العالی اپنے رفقائے سفر کے ساتھ بخیر وعافیت ندوۃ العلماء لکھنؤ واپس تشریف لائے۔ ☆☆☆

...... بقیہ: حفاظت اسلام اور فرائض علماء ......

وقت ہمارے علماء کے باہری سفر بہت کم ہوا کرتے تھے مگر اب بکثرت ہونے لگے ہیں لیکن اکثر حضرات اپنے ہی حلقے کے لوگوں میں جو وہاں آباد ہوگئے ہیں جاتے ہیں اور اپنے سابقہ ذہن وفکر کے ساتھ رہتے اور کام کرتے ہیں خود وہاں کے باشندوں کے مزاج وزبان اور ان میں کام کرنے کی ضروریات وتقاضوں پر عمل کرنے کی طرف ذہن خال خال ہی لوگوں کا چلتا ہے وہاں جو حضرات دل دادہ دل بینا دل شنوا لے کر جاتے ہیں پھر اس کے مطابق اپنے ذہن وفکر کو وسیع کرتے اور زمانہ کے تقاضوں اور ضروریات کو سمجھتے ہیں تو ان کے اندر اسی انداز سے کام کرنے کا شعور وجذبہ بیدار ہوتا ہے۔ جو امت مسلمہ کو صحیح رخ پر لے کر چلنے کی قوت وصلاحیت پیدا کرتا ہے اللہ کا شکر ہے کہ ندوۃ العلماء نے ایسے ہونہار اور دل دردمند اور فکر ارجمند رکھنے والے افراد پیدا کئے ہیں جنہوں نے پورے عالم اسلام میں اپنی نہ صرف ایک شناخت قائم کی ہے بلکہ لوگوں کے ذہن وفکر پر اثر انداز ہوئے ہیں۔

☆☆☆

ممبئی کی مشہور ومعروف مٹھائی ساز فرم

طہورا سوئیٹس

اسپیشل مٹھائیاں

- افلاطون
- نان خطائیاں
- ڈرائی فروٹ برفی
- قلاقند
- ملائی مینگو برفی
- بادامی حلوہ
- گلاب جامن
- دودھی حلوہ
- گاجر حلوہ
- کاجو کتلی
- ملائی زعفرانی بیڑہ

مستورات کے لئے خاص بتیسہ لڈو۔
ودیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔

طہورا سوئیٹس

بلاسس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸
☎ ۲۳۰۹۱۳۱۸ - ۲۳۰۸۲۷۷۳

آخری صفحہ

مکان کی تلاش

جناب سید شاہ حسن عسکری طارق

ہوتی کہ اس سال اس چھوٹے سے دو کمرے کے گھر کو ضرور چھوڑنا ہے، مہمان کو کہاں بٹھائیں، سامان کہاں رکھیں، حمام چھوٹا، باورچی خانہ مناسا، برآمدہ کیا ہے چھوٹی سی چوکی بھر کی جگہ، لیکن دفتر سے واپسی پر بیگم ہر شام کو کسی کے گھر جانے کا پروگرام سناتی تھیں کہ ان کی بلڈنگ میں کوئی مکان خالی ہونے والا ہے، وہاں چلنا ہے، ہر روز چائے سے پہلے ان کی یہی تقریر آج کچھ نہیں ہوا، آرام اور سکون سے چائے پی گئی، مجھے خود بہت تعجب ہو رہا تھا کہ مکان کی کوئی بات شروع نہیں ہو رہی ہے، کہ انہوں نے بولنا شروع کیا، کہ ہم لوگ ناشکرے ہیں، اتنے بڑے گھر کو چھوٹا کہتے ہیں، اور پھر بھل بھل رونے لگیں، اور روتے روتے بولیں کہ مجھے اب مکان نہیں بدلنا، آپ یہ خط پڑھیں، یہ آپ کے پرانے کاغذات میں سے نکلا ہے:

عنایت فرمائم سلمکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون، عنایت نامہ پہونچا، حالات اور تفکرات سے رنج ہوا، حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف وکرم سے آپ کی مدد فرمائیں، اور تفکرات سے عافیت نصیب فرمائیں۔ اپنے آنے کے متعلق تو کسی مشورہ کی ضرورت ہی نہیں، ایں خانہ خانۂ تست، جب چاہو، جتنے دن کے لئے چاہو، بے تکلف آجاؤ، اہلیہ ماجدہ کے متعلق یہ ہے کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے بڑی مسرت اور خوشی کے ساتھ آویں، مگر تنگیٔ مکان کا معاملہ یہاں بھی ہے، اور وہاں سے کم نہیں، زیادہ ہی ہوگا، آپ کو شاید زنانہ مکان کی کیفیت کا حال معلوم نہ ہو، نہ صحن، نہ مکانیت، ایک کوٹھری، ایک سہ دری، اس میں سترہ نفر نے پوری سردی گزاردی۔ اب گرمی میں نہایت مختصر صحن، جس میں تین چار چارپائی آتی ہیں، اور سہ دری کی چھت میں، جس میں چھ سات چارپائی آسکتی ہیں، اس میں گھر والوں اور مہمانوں کا گزر ہے، یہ ساری کیفیت اس لئے لکھیں کہ اہلیہ سے پوری کیفیت ظاہر کرنے کے بعد اگر وہ تحمل کر سکیں تو شوق سے بسروچشم آجائیں، اپن نے تو ۲۸ھ سے ۷۲ھ تک چوالیس سال اس مکان میں گزار دیئے، اللہ کا بڑا فضل ہے کہ گھر کے آدمی ہر دور میں صابر شاکر ہی رہے، اہلیہ، نیز آزاد صاحب سے سلام مسنون کہہ دیں۔

فقط والسلام

(حضرت مولانا محمد) زکریا (رحمۃ اللہ علیہ)

۱۳ر جمادی الثانی ۷۲ھ

یہ ایک پرانے خط کی کاپی ہے جو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی انعام اللہ مرحوم کے نام بھیجا تھا، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایک بہت بڑا مسئلہ مالک نے یوں حل کروادیا، ورنہ مکان کا ملنا اور پھر نئے مکان میں جانا کوئی آسان کام ہے؟۔☆☆☆

قنوج کے قدیم مشہور معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ واعلیٰ عطریات "شمامۃ العنبر، عطر گلاب، روح خس، عطر موتیا، عطر حنا، عطر گل، عطر کیوڑہ، اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔

ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں

محمد یسین محمد یامین تاجران عطر

ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر، قنوج یوپی

آئیڈیل پرفیوم سنٹر (پرائیویٹ لمیٹیڈ) قنوج

فون: 234445

بمبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گذارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

TEA MERCHANTS

44, Haji Building, S.V. Patel Road

Null Bazar, Mumbai-400 003

Tele : Add Cupkettle Tel : 3460220, 3468708

Haj-Umrah

حج و عمرہ

پاسپورٹ، ویزا اور ایر ٹکٹ کے لئے

رابطہ قائم کریں

Travelup

ٹریول اپ

Mob : 9415086659

2218636

2258115

Mob: 9415001207

MAQBOOL MIAN

Jewellers

Jutey Wali Gali, Aminabad

Lucknow- 226018

حج بیت اللہ ٹور - 1425ھ 2005ء

مرزا ٹور اینڈ ٹریول (رجسٹرڈ)، لکھنؤ

آپ کا جانا پہچانا و قابل اعتماد نام

کل خرچ فی کس بالغ لکھنؤ۔جدہ۔لکھنؤ INR 85000/-

کل خرچ فی کس بالغ دہلی۔جدہ۔دہلی INR 82000/-

الحمد للہ! مسلسل تیرہ سال کی پرخلوص مشقت اور خدمات کے ساتھ ۲۰۰۵ء کے لئے حجاج کرام کی خدمت میں اپنا پروگرام لے کر حاضر ہیں۔

ہماری خصوصیات

- مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں حرمین شریفین سے 400 سے 500 میٹر کی دوری پر صاف ستھری ایر کنڈیشن بلڈنگ میں قیام۔
- عازمین حج کا سفر لکھنؤ، دہلی، جدہ کی ڈائرکٹ فلائٹ کے ذریعہ۔
- گھر جیسا لذیذ کھانا اور میڈیکل کی مکمل سہولیات۔
- منیٰ، عرفات، مزدلفہ، مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی زیارتوں کے لئے خصوصی بسوں کا انتظام و بہتر معلم کا انتخاب۔
- منیٰ میں جمرات (شیطان) کی رمی سے 600 سے 700 میٹر کے فاصلے پر ایر کنڈیشن خیموں میں قیام۔
- تجربہ کار عالم دین و خادم الحجاج کی رہنمائی میں اپنا فریضہ حج مخصوص تعلیم تربیت کے ساتھ ادا کریں۔

آج ہی اپنی بکنگ کے لئے رابطہ قائم کریں۔

MIRZA TOUR & TRAVEL®

وزارت خارجیہ ہند و وزارت حج سعودی عربیہ سے منظور شدہ

ممبر آف آل انڈیا حج عمرہ ٹور آرگنائزرز ایسوسی ایشن ممبئی۔

Address:- U-G-29 Avadh Point, Nakkhas Crossing, Lucknow-226003 (U.P.)

Ph. :- 2240580, 2240381.(R) 2251666Mobile No. 9415426138